ماہنامہ

ترجمان القرآن

جاری کردہ
سید ابوالاعلیٰ مودودی

۱۹۹۸ء

مُدیر
خورشید احمد

ادارہ ترجمان القرآن

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مدیر: خورشید احمد — نائب مدیر: مسلم سجاد

جلد ۱۲۵ — جنوری ۱۹۹۸ء، رمضان ۱۴۱۸ — عدد ۱

ترتیب

ادارتی امور

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور ۵۴۵۷۰

فون: ۷۸۴۳۶۰۵

فیکس: ۷۸۳۲۱۹۴

انتظامی امور

۵- اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

فون: ۷۵۸۷۹۹۱ - ۷۵۸۵۵۹۰

☆

قیمت فی شمارہ ۱۵ روپے

زر سالانہ ۱۵۰ روپے

بھارت ۳۰۰

بنگلہ دیش، ایران ۴۵۰

مشرق وسطیٰ، یورپ

مشرق بعید، افریقہ / ۶۵۰

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا / ۱۰۰۰

بنک ڈرافٹ

بنام ماہنامہ ترجمان القرآن ارسال فرمائیں

۶۰ سال پہلے

اکثر حضرات نے میرے اوپر وہ اعتراضات کیے ہیں جن کا جواب میں خود ہی اپنے مضامین میں دے چکا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر انھوں نے ان مضامین کو پڑھا بھی ہے تو دل کے دروازوں کو بند کر کے پڑھا ہے۔ میں عرض کروں گا کہ یہ طریقہ اہل حق کے لیے مناسب نہیں ہے۔ ہم کوئی مجلس مناظرہ تو قائم نہیں کر رہے ہیں جس کا مقصد محض دماغی زور آزمائی ہوتا ہے اور جس میں ہر فریق پہلے سے یہ فیصلہ کر کے شریک ہوتا ہے کہ دوسرے کی بات نہ مانے گا اور اپنی بات پر اڑا رہے گا۔ ہمارا مقصد تو اس ملت کی حفاظت اور سربلندی ہے جو ہم میں سے ہر ایک کو یکساں عزیز ہے۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر جو شخص کچھ کہہ رہا ہے اس کی بات کو کھلے دل کے ساتھ سنیے' پوری طرح سنیے' ٹھنڈے دل سے اس پر غور کیجیے اور یہ فرض نہ کر لیجیے کہ جو طریقہ آپ نے اختیار کیا ہے وہ وحی کے ذریعے سے نازل ہوا ہے' اس لیے اس کے خلاف جو کچھ بھی کہا جائے' وہ بہرحال باطل ہی ہونا چاہیے۔ وہ غریب آپ سے لڑنے کے لیے نہیں اٹھا ہے بلکہ غور و فکر کی دعوت دینے کے لیے اٹھا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ آپ قدم اٹھانے سے پہلے اپنی منزل مقصود متعین کریں' اور اس منزل کی طرف جانے کے لیے وہ راستہ معلوم کریں جو یقیناً صحیح ہو' جس کی صحت اتنی ہی یقینی ہو جتنی ہدایت ربانی کی صحت یقینی ہے۔ پس آپ جویائے حق بن کر اس کے معروضات کا مطالعہ کریں اور دوران مطالعہ میں صواب کو خطا سے ممیز کرتے چلے جائیں۔ جو کچھ صواب نظر آئے اسے قبول کر لیں اور جس چیز میں خطا پائیں اس کے متعلق واضح طور پر بتا دیں کہ اسے کس بنا پر آپ خطا سمجھتے ہیں۔ آیا وہ کتاب اللہ کے خلاف ہے؟ سنت رسول اللہؐ کے خلاف ہے؟ عقل کے خلاف ہے؟ یا کسی اور ایسی چیز کے خلاف ہے جو تمیز حق و باطل کی معیار ہو؟ اس توضیح سے راقم کو بھی اپنے خیالات پر نظرثانی کرنے کا موقع ملے گا اور نیک نیتی کے ساتھ مباحثہ کر کے ہم سب ایک صحیح نتیجے پر پہنچ سکیں گے۔ یا اگر اختلاف باقی بھی رہا تو کم از کم غلط فہمیاں باقی نہ رہیں گی۔

(**ابوالاعلیٰ مودودی**' مقدمہ' **ترجمان القرآن**' جلد ۱۱ عدد ۵' ذی القعدہ ۱۳۵۶ھ' جنوری ۱۹۳۸ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

معیشت کی زبوں حالی' اربابِ دولت کی فراوانی

خورشید احمد

ہفت روزہ ایکونومسٹ' لندن میں کچھ عرصہ پہلے ایک تجزیہ نگار نے پاکستانی معیشت کے مخمصے اور تضاد کو ایک جملے میں یوں ادا کیا تھا: "وہ ایک غریب ملک ہے جس میں دولت مندوں کی فراوانی ہے"۔ آزادی کے پچاس سال بعد وہ ملک جس کی زمین کی زرخیزی ضرب المثل تھی' جس کے پاس وافر قدرتی اور انسانی وسائل موجود تھے اور جس کے لیے ایک موثر علاقائی طاقت کی حیثیت سے ابھرنے کے سارے امکانات موجود تھے آج ۲۰ کھرب روپے سے زیادہ کا مقروض ہے' جس کا نصف تقریباً ۳۳ بلین ڈالر بیرونی قرض کی صورت میں ہے اور جسے آج صرف حالیہ قرضوں کا سود ادا کرنے کے لیے بنکوں اور مالی منڈی کے مہاجنی شرح پر قلیل مدت قرضے حاصل کرنا پڑے ہیں' اور اس سال صرف ان ادائیگیوں کے لیے ۴ ارب ڈالر سے زیادہ درکار ہیں (واضح رہے کہ دو سال پہلے تک یہ رقم ۲ ارب ڈالر تھی)۔ اگر ملک کے بجٹ پر سود کے اس بار کا آپ اندازہ کرنا چاہیں تو صرف اتنا جان لیں کہ موجودہ مالی سال میں وفاقی حکومت نے محصولات کی وصولی کا ہدف ۳۲۴ ارب روپے رکھا ہے جس میں سے صرف سود اور فوری قرضے ادا کرنے کے لیے ۲۴۸ ارب روپے درکار ہوں گے۔ دفاع کا بجٹ' سود اور قرضوں کی ادائیگی کی رقم کا صرف ۶۰ فی صد ہے یعنی ۱۳۴ ارب روپے۔ محصولات کی پوری آمدنی سے سود کی ادائیگی کے بعد صرف ۷۶ ارب روپے بچتے ہیں جو دفاع کے بجٹ کے لیے بھی کافی نہیں۔ انتظامی اخراجات' تعلیم' صحت اور فلاحی خدمات کے لیے رقم اور پھر ترقیاتی منصوبوں کے لیے وسائل' سب مزید قرض کے محتاج ہوں گے۔ جو "کشکول گدائی" توڑنے کا مینڈیٹ لے کر آئے تھے اور "قرض اتارو' ملک سنوارو" کے خوش کن نعروں سے دور نو کے آغاز کی نوید سنا رہے تھے وہ صرف ۹ ماہ میں ڈیڑھ سو سو ارب روپے کے قرضوں کا نیا بار اس قوم کے کمزور و نحیف کاندھوں پر ڈال چکے ہیں اور تباہی کی اسی راہ پر بگٹٹ دوڑ رہے ہیں۔ آئی ایم ایف' ورلڈ بنک' ایشیائی ترقیاتی

جنگ سے آگے بڑھ کر اب تو مارکیٹ سے مستقبل کی برآمدات' نیلی کمیونی کیشن کے حصص کی فروخت اور بیرون ملک پاکستانیوں کی متوقع ترسیلات (remittances) گروی رکھ کر اونچی شرح سود پر فوری اور قلیل مدت قرضے حاصل کیے جا رہے ہیں تاکہ ملک کو دیوالیہ (default) ہونے سے بچایا جا سکے۔ قلیل مدت قرضے جو ۹۳-۱۹۹۲ میں کل بیرونی قرضوں کا ۱۳ فی صد تھے اب (۹۸-۱۹۹۷) بڑھ کر ۲۰ فی صد سے زائد ہو گئے ہیں اور صرف ان قلیل مدت قرضوں کا سود اور ادائیگی ۲.۷ بلین ڈالر تک پہنچ گئی ہے۔ صرف بیرونی قرض کل ملکی پیداوار (GDP) کا ۴۸ فی صد (اندرونی قرض کل ملکی پیداوار کا مزید ۴۱ فی صد ہے یعنی کل قرض' ملکی پیداوار کا تقریباً ۹۰ فی صد ہو گیا ہے) اور بیرونی قرض کے سلسلے کی سالانہ ادائیگی (سود + قرض) کل برآمدات کی آمدنی کا ۶۱ فی صد ہڑپ کر رہی ہے اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْد پکار رہی ہے۔

معیشت پر سب سے بڑا بوجھ قرض اور سود کی اس لعنت کا ہے جسے اس ملک کی سیکولر قیادت نے ترقی کا ضامن سمجھا تھا لیکن بالآخر اس کی معیشت ہی کو تباہ نہیں کیا بلکہ معاشی اور سیاسی آزادی اور پالیسی سازی کے اختیار تک کا سودا کر ڈالا اور ملک ایک ایسی دلدل میں دھنس گیا جس سے نکلنے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔

اب ذرا اس کا دوسرا رخ بھی دیکھ لیجیے' جس سے عوام کی حالت اور ان کے مصائب کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

۱۹۶۰ کے عشرے میں ملک عزیز میں ایک کروڑ ۹۰ لاکھ افراد شدید غربت کا شکار تھے' یعنی اپنی کم سے کم ضروریات بھی پوری کرنے کے قابل نہ تھے اور ایک غیر انسانی (sub-human) زندگی گزار رہے تھے۔ نام نہاد ترقی کے بیس سال میں یعنی ۱۹۸۰ تک غربت کے ان ستم زدہ افراد کی تعداد بڑھ کر ۳ کروڑ ۳۰ لاکھ ہو گئی۔ پھر بڑی حد تک بیرون ملک پاکستانیوں کی ترسیلات کی وجہ سے غربت کی سطح میں کمی آئی اور ۱۹۹۰ میں یہ تعداد ۲ کروڑ ۴۰ لاکھ تھی۔ لیکن ۱۹۹۰ کے بعد غربت میں پھر اضافہ شروع ہو گیا اور ۱۹۹۵ میں یہ تعداد بڑھ کر ۴ کروڑ ۲۰ لاکھ ہو گئی ہے' یعنی صرف ۵ سال میں ایک کروڑ ۸۰ لاکھ کا اضافہ! یہی وجہ ہے کہ اس وقت ایک تہائی سے زیادہ آبادی شدید غربت کا شکار ہے۔ ۷۰ فی صد ناخواندہ ہیں اور ابتدائی تعلیم کی عمر والے بچوں کے صرف ۳۷ فی صد کو اسکولوں تک رسائی حاصل ہے۔ ۶ کروڑ ۰۰ لاکھ افراد کو پینے کا صاف پانی اور ۸ کروڑ ۹۰ لاکھ افراد کو حفظان صحت کی ابتدائی سہولتیں بھی حاصل نہیں۔ نومولود بچوں میں چار میں سے ایک اوسط وزن سے کم اور نشوونما کی بنیادی سہولتوں سے محروم ہے لیکن ہر پیدا ہونے والا بچہ اٹھارہ ہزار روپے کا مقروض

پیدا ہو رہا ہے۔

روتی ہے شبنم کہ گل داں تنگ ہے گل ہے سینہ چاک
کیا اسی مجموعۂ غم کا گلستاں نام ہے

تصویر کے یہ رخ تو آپ نے دیکھے--- اب ایک رخ اور بھی دیکھ لیجیے' اور وہ ہے نو دو تیس' بااثر سرمایہ داروں' جاگیرداروں' وڈیروں کا اور حکومت کے ارباب بست و کشاد کا۔ بظاہر ان پچاس سال میں ملکی پیداوار میں اوسطاً" ۵ سے ۶ فی صد سالانہ اضافہ ہوا ہے۔ ۱۹۶۰ کے عشرے میں یہ اضافہ ۸ فی صد' ۱۹۷۰ کے عشرے میں ۸.۴ فی صد' ۱۹۸۰ کے عشرے میں ۸.۵ فی صد اور ۱۹۹۰ کے سات سالوں میں ۷.۴ تھا جس کے نتیجے میں اعداد و شمار کی حد تک فی کس آمدنی میں گذشتہ ۳۰ سال میں ۲۲۱ فی صد اضافہ ہوا ہے۔ اگر گھرانوں کے جائزے (Household Surveys) کی فراہم کردہ معلومات کا تجزیہ کیا جائے تو ۶۹-۱۹۶۸ میں اوسط گھرانے کی آمدنی شہری علاقے میں ۳۰۳ روپے اور دیہی علاقے میں ۱۹۷ روپے تھی جو اب ۹۳-۱۹۹۲ میں علی الترتیب ۴۹۷۶ اور ۳۰۷۰ روپے ہوگی۔ لیکن "اوسط" کے بارے میں اصل مشکل یہ ہے کہ وہ انفرادی سطح کے فرق کو چھپا لیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ غریب غریب تر ہوا ہے اور امیر امیر تر۔ ان جائزوں ہی سے یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ آبادی کے کم سے کم آمدنی والے ۲۰ فی صد افراد جن کا حصہ ۷۲-۱۹۷۱ کی کل قومی دولت میں ۸.۴ فی صد تھا' ۹۳-۱۹۹۲ میں کم ہو کر صرف ۶.۳ فی صد رہ گیا بمقابلہ امیر ترین ۲۰ فی صد جن کا حصہ ۷۲-۷۱ میں ۴۱.۵ فی صد تھا وہ بڑھ کر ۴۸.۲ فی صد ہو گیا (حکومت پاکستان کے شائع کردہ ۹۷-۱۹۹۶ کا Economic Survey کا صفحہ ۲)۔ دولت کی غیر مساوی تقسیم کا اندازہ اس سے لگایئے کہ ملک کے تمام شیڈولڈ بنکوں میں دسمبر ۱۹۹۶ میں کل اکاؤنٹ دس لاکھ ۲۴ ہزار چار سو ۴۲ ہیں جس میں ۴۲۲.۳۱۵ ملین روپے ہیں۔ ان میں سے صرف ۶۶۵۶ افراد ایسے ہیں جن کے حساب میں ایک کروڑ یا اس سے زیادہ رقم تھی اور ان کے پاس کل ۲۶۹۰۰.۴ ملین روپے تھے یعنی کل ایڈوانسیز کا ۵۵ فی صد سے زیادہ۔ اور یہی وہ حسابات ہیں' یعنی ایک کروڑ یا دس لاکھ سے ایک کروڑ تک رقم والے' جن میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ ۱۹۹۵ کے مقابلے میں ۱۹۹۶ میں ان دونوں قسم کے حسابات میں ۲۲.۲ فی صد اور ۲۷.۲ فی صد اضافہ ہوا ہے۔ صرف ایک ملین روپے سے زیادہ ایڈوانس والے حسابات میں کل بنک ایڈوانسیز کا ۸۹.۳ فی صد روپیہ ہے جن کی کل تعداد ۳۹۸۱۷ افراد ہوتی ہے' یعنی ۱۴ کروڑ کی آبادی میں نوے فی صد دولت تقریباً ۵۰ ہزار افراد کے پاس ہے۔

زراعت کے دائرے پر اگر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ۶ ہزار بڑے زمینداروں کے پاس کل زرعی زمین کا ۴۰ فی صد ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کل زرعی آمدنی کا' جو ۶۰۰ بلین ہوتی ہے' ان ۶ ہزار

افراد کے پاس کتنا حصہ ہو گا اور آبادی کے ان ۷۲ فی صد کے پاس کتنا جو دیہی علاقوں میں رہتے اور زمین سے اپنا رزق حاصل کرنے کے لیے خون پسینہ ایک کرتے ہیں۔ ملک کی معیشت اور سیاست پر یہی چند ہزار افراد چھائے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ۸ ہزار افراد وہ ہیں جو بنکوں کے ۱۳۰ بلین روپے کے نادہندہ ہیں۔ یہی وہ افراد ہیں جو ٹیکس چوری کے مرتکب ہیں اور ملکی خزانے کو سالانہ کم از کم ۱۰۰ بلین روپے سے محروم رکھے ہوئے ہیں اور ہر احتساب سے بالا ہیں۔ انھی کے ہاتھوں میں وہ "سیاہ معیشت" (black economy) ہے جو حساب کتاب کے باہر ہے اور جس کا کم سے کم اندازہ ۵۰۰ بلین روپے ہے۔ سیاست کے ایوانوں پر بھی ان ہی کا قبضہ ہے اور انتظامیہ، پولیس اور احتساب کی ساری مشینری ان کی خدمت کے لیے کمربستہ ہے۔ ان کے طرز بود و باش کا کوئی تعلق عام شہری کی زندگی سے نہیں ہے۔ یہ اپنی ہی دنیا میں رہتے ہیں اور مفادات کے اشتراک کے سہارے بظاہر سارے اختلافات اور labels کے باوجود ایک قوم اور برادری بن گئے ہیں۔ یہی وہ طبقہ ہے جسے ہر سہولت حاصل ہے اور جو عملاً ہر طرح کی جواب دہی سے بالا ہے جبکہ عام انسان بے روزگاری اور تخفیف (down-sizing) کا شکار ہے اور مہنگائی کی چکی میں پس رہا ہے۔ ۱۹۹۰ کے عشرے میں کل لیبر فورس ۲.۷۱ ملین تھی اور کل بے روزگار ۲۵۰۰۰۰۰، یعنی لیبر فورس کا ۵.۱ فی صد۔ اب ۹۶-۱۹۹۵ میں کل لیبر فورس کا اندازہ ۷.۳۶ ملین ہے اور بے روزگار افراد کا اندازہ ۸.۷-۱۰ ملین یعنی لیبر فورس کا ۸۵.۴ فی صد۔ اور یہ سرکاری اعداد و شمار ہیں۔ اصل بے روزگاری اور نیم بے روزگاری اس سے تین چار گنا زیادہ ہے۔

یہی معاملہ افراط زر اور مہنگائی کا ہے۔ صرف بنیادی ضرورت کی چند اشیا کی قیمتوں میں ہوش ربا اضافے کا اندازہ اس سے کیجیے کہ آج آٹا ۷ روپے کلو، چینی ۲۰ روپے کلو، بناسپتی گھی ۴۸ روپے کلو، دالیں ۲۵ سے ۴۰ روپے کلو، بکرے کا گوشت ۱۰۰ روپے اور گائے کا گوشت ۶۰ روپے کلو اور چائے ۱۷۵ روپے کلو ملتی ہے۔ جبکہ یہی اشیا چند سال قبل اس سے تہائی یا چوتھائی قیمت پر دستیاب تھیں۔ بجلی کے بلوں میں اضافہ ایک الگ کہانی ہے جس نے ہر گھر کا بجٹ ہلا کر رکھ دیا ہے۔ قیمتوں میں ان مسلسل اضافوں سے عام آدمی کی زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی ہے جبکہ: ؎

بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لیے

ہم نے معیشت کے چند نمایاں پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا ہے جبکہ گذشتہ سال کی عمومی کیفیت کا اندازہ اسٹیٹ بنک آف پاکستان کی سالانہ رپورٹ ۹۷-۱۹۹۶ (اکتوبر ۱۹۹۷) کے اس اقتباس سے کیا جا سکتا ہے۔

"گذشتہ کئی سال سے پاکستان میں معاشی ترقی کی رفتار سست ہو گئی ہے۔ افراط زر مسلسل ۱۰ فی صد سے

زیادہ ہو رہا ہے جبکہ بیرونی ادائیگیوں کا توازن برابر کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ کل قومی پیداوار میں اضافہ کی رفتار ۹۷-۱۹۹۶ میں ۳.۱ فی صد تھی جو آبادی میں اضافہ کی رفتار سے بس کچھ ہی زیادہ ہے جس کے معنی ہیں کہ فی کس آمدنی میں اوسطاً" بھی کوئی بہتری کی نسبت پیدا نہیں ہوئی۔ بڑے پیمانے کی صنعت میں اضافے کے بجائے کمی کا رجحان ہے اور صنعتی پیداوار ۱.۴ فی صد کم ہو گئی ہے جبکہ زراعت میں اضافہ قدر (value added) کے اعتبار سے صرف ایک فی صد اضافہ ہوا ہے۔ بڑی بڑی زرعی فصلوں کی پیداوار میں تو درحقیقت ۴.۵ فی صد کی کمی ہوئی ہے۔ قومی بچت اور قومی سرمایہ کاری دونوں ہی میں کل قومی پیداوار کے تناسب کے اعتبار سے کمی ہوئی ہے۔ برآمدات میں ۲.۷ فی صد کی اور درآمدات میں ۰.۵ فی صد کی کمی ہوئی۔ ادائیگیوں کے توازن میں خسارہ رہا ہے جو قومی پیداوار کے ۶.۵ فی صد کے مساوی ہے۔ قومی بجٹ میں بھی خسارہ رہا ہے اور یہ خسارہ بھی قومی پیداوار کا ۶.۲ فی صد ہے۔ ٹیکس اور قومی پیداوار کے تناسب میں اضافہ کے بجائے کمی واقع ہوئی ہے۔ جبکہ کل قومی قرضے کا قومی پیداوار سے تناسب بڑھ گیا ہے۔ نتیجتاً نظام بنک کاری سے سرکاری قرضے اصل ہدف سے تین گنا زیادہ رہے ہیں۔ قرضوں میں بیش بہا اضافہ اور پیداوار میں ہدف سے کم اضافے کا نتیجہ افراط زر اور مہنگائی کی صورت میں نکلنا لازمی تھا اور یہی ہوا کہ ۹۷-۱۹۹۶ میں عام صرفی اشیا کے اشاریہ میں ۱۲ فی صد کے قریب اضافہ ہوا ہے"۔ (اسٹیٹ بنک رپورٹ، صفحہ ۲)

حکومت کی مایوس کن کارکردگی اور اس کی معاشی پالیسیوں کی ناکامی کے اعتراف کے لیے کیا کسی اور بیان یا ثبوت کی ضرورت ہے؟

تن ہمہ داغ داغ شد ' پنبہ کجا کجا نہم

ایک طرف یہ گمبھیر اور تشویش ناک صورت حال ہے اور دوسری طرف ارباب بست و کشاد کا یہ عالم ہے کہ اصل مسائل سے صرف نظر کر کے روز نت نئی لڑائیاں اور معرکے مول لے رہے ہیں۔ تین مہینے سے ملک کو شدید سیاسی اور عدالتی بحران سے دوچار کر رکھا ہے جس کے بارے میں وزیر خزانہ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ سے ۵ ارب روپے کا مزید نقصان ہوا ہے اور اگر وزیراعظم صاحب کے ارشاد پر اعتبار کیا جائے تو روزانہ ایک ارب روپے کا خسارہ واقع ہوا ہے۔ ان حالات میں بھی ارباب حکومت کی شاہ خرچیوں میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا ہے۔ چھوٹی کابینہ بنانے اور حکومت اور سرکاری اداروں میں تخفیف (downsizing)۔ اور کفایت کے دعویداروں کا حال یہ ہے کہ صرف صدر مملکت اور وزیراعظم کے سرکاری دفاتر اور گھرانوں کے اخراجات دو ارب روپے سالانہ سے زیادہ ہیں۔ وزیراعظم کے لیے مغلیہ محلوں کے طرز پر نئے دفاتر کئی ارب روپے کے خرچ پر تیار کیے گئے ہیں اور مرکزی کابینہ کی تعداد اب ۲۷ وزرا، ۲۸ وزرائے مملکت اور ۲۴ مزید ایسے معاونین پر مشتمل ہے جن کا رتبہ وزیر کا ہے--- یعنی ۷۹ درجہ وزارت پر فائز حضرات---

اس ملک میں جس میں ۴ کروڑ سے زیادہ غریب ہیں اور جس کی کل سالانہ ملکی دولت فورڈ موٹر کمپنی کی سالانہ پیداوار سے کم ہے! نیز ملک کے سب سے غریب صوبے (بلوچستان) میں اسمبلی کے ۴۴ ممبران میں سے ۲۴ مسند وزارت پر متمکن ہیں۔

اور اس فوج ظفر موج کی معاملہ فہمی کا یہ حال ہے کہ ۱۲ دسمبر ۹۷ کے کابینہ کے اجلاس نے "اقتصادی صورت حال پر اطمینان کا اظہار کیا ہے" اور وزیر خزانہ نے نوید سنائی ہے کہ "ادائیگیوں کا توازن بہتر ہوا ہے اور برآمدات بڑھ رہی ہیں اس لیے فکر کی کوئی بات نہیں"۔ راوی سب چین لکھتا ہے:

تم کو آشفتہ مزاجوں کی خبر سے کیا کام
تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنے

کیا فی الحقیقت ہمارے ارباب بست و کشاد یہ سمجھتے ہیں کہ اس ملک میں سب اندھے، بہرے اور گونگے بستے ہیں جن کو وہ جس طرح چاہیں اور جب تک چاہیں، دھوکے میں رکھ سکتے ہیں یا تاریخ انقلاب فرانس سے قبل کے کسی ویسے ہی منظر کا اعادہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں جس میں بھوک اور ظلم سے تنگ انسانوں کے انبوہ کثیر کی روٹی کی فریاد پر شاہ ہنری کی لڑکی نے کہا تھا: "پاپا، اگر ان کو روٹی نہیں ملتی تو یہ کیک کیوں نہیں کھا لیتے"۔

اس وقت سے ڈرنا چاہیے جب پانی سر سے اوپر ہو جائے اور حالات قابو سے نکل جائیں۔ معاش کی چوٹ تو ایسی چوٹ ہے جس سے اس قوم کے جسم کا پور پور دکھ رہا ہے اور ہر شخص درد کی تکلیف سے کراہ رہا ہے۔ اس کے لیے کسی خارجی خبر کی حاجت نہیں ہوتی۔

ہماری نگاہ میں بگاڑ کی اصل وجہ خدا سے بے خوفی اور عوام کی احتساب سے غفلت اور بے پروائی ہے۔ وسائل پر ایک مخصوص گروہ کا قبضہ ہے جو عوام سے کٹا ہوا ہے اور اپنی ہی دنیا میں مگن ہے۔ بظاہر الیکشن بھی ہیں اور جمہوریت کی مالا بھی جپی جا رہی ہے لیکن نہ قانون کی حکمرانی ہے اور نہ آزادی کے باوجود حقیقی اقتدار عوام کی طرف منتقل ہوا ہے۔ اختیار و اقتدار اور وسائل سب بااختیار اشرافیہ (power elite) کے ایک منظم گروہ نے اغوا (hi jack) کر لیے ہیں اور وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ محض پروپیگنڈے کی قوت پر مسلسل اپنی من مانی کرتے رہیں گے حالانکہ یہ تاریخ اور قانون قدرت دونوں کے خلاف ہے۔ پریس کی آزادی، عدلیہ کی فعالیت اور سب سے بڑھ کر عوام کے اپنے حقوق کے لیے بیدار ہو جانے اور جدوجہد اور قربانی کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کی صورت میں ظلم و استحصال کے اس نظام کے جاری رہنے کا کوئی امکان نہیں۔ اس کے دن لازماً گنے جا چکے ہیں۔ البتہ تبدیلی کے دو ہی طریقے ہیں، یا ارباب اقتدار غرور اور

غفلت کے ظلم سے نکلیں اور خود کو بدلنے اور نظام کو بدلنے کے لیے آمادہ ہو جائیں اور اس طرح افہام و تفہیم اور قانون اور ضابطے کے ذریعے تبدیلی آئے۔ دوسری صورت میں ملک انقلاب کے دہانے کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے اور جب انقلاب کی قوتیں ظلم کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی ہیں تو پھر بڑی بڑی مضبوط کرسیاں ٹوٹ جاتی ہیں اور بڑے بڑے مستحکم برج الٹ دیے جاتے ہیں۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہو گا ___ یعنی بہ رضا و رغبت تبدیلی' یا ایسی تبدیلی جس میں سب کچھ بہہ جاتا ہے۔ گویا انگریزی محاورے میں Change; or be Changed (تبدیل ہو جاؤ یا تبدیل کر دیے جاؤ گے)۔

معیشت کا بگاڑ جس مقام پر پہنچ گیا ہے وہاں جزوی اور نمایشی تبدیلیوں سے کوئی فرق واقع نہیں ہو گا۔ پچاس سال کی اندرونی کارکردگی اور نئے عالمی حالات اور تجربات دونوں بنیادی تبدیلیوں کا تقاضا کرتے ہیں۔ آج تک ہماری معاشی پالیسیاں ارباب اقتدار اور بااثر طبقات کے مفاد اور بیرونی قوتوں کی خواہشات کے محور کے گرد گھومتی رہی ہیں۔ آج تک معاشی پالیسی سازی کا اسلوب وہی رہا ہے جو سامراجی دور میں قائم کیا گیا تھا۔ معاشی ترقی کے معنی پیداوار میں اضافہ اور دولت مند طبقات کو نت نئی سہولتیں فراہم کرنا سمجھ لیا گیا ہے۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد سرد جنگ کے پس منظر میں امریکہ اور یورپی اقوام نے اپنی بالادستی قائم کرنے کے لیے عالمی نظام کا جو نقشہ بنایا' ہماری قیادتیں اس کا حصہ بن گئیں اور پھر بیرونی امداد' سرمایہ کاری اور عالمی بنک اور آئی ایم ایف کی حکمت عملی کی اسیر ہو گئیں۔ اس کے نتیجے میں ہماری معاشی پالیسیوں کا کوئی رشتہ اور تعلق نظریہ پاکستان اور عوام کے دینی' اخلاقی' نظریاتی اور سماجی احساسات اور اقدار سے نہ جڑ سکا' معاشی میدان میں مادی فکر غالب رہی۔ پہلے سرمایہ دارانہ نظام کی خوشہ چینی کو منزل بنایا' پھر سوشلزم اور قومی ملکیت کی حاشیہ گیری کا راستہ اختیار کیا اور اب پھر آزاد معیشت' منڈی کی معیشت' آزاد روی (Liberalisation) اور عالمگیریت (Globalisation) کے راگ میں راگ ملایا جا رہا ہے' بلالحاظ اس بات کے کہ اس قوم کے اصل مقاصد کیا ہیں؟ اس کے تاریخی عزائم کیا ہیں؟ اس کا حقیقی مفاد کن چیزوں میں مضمر ہے؟ اور اس کے عوام کی فلاح و بہبود کا حصول کس طرح ممکن ہے؟ ملک اور عوام کا مفاد' انصاف اور معاشرتی فلاح و بہبود کا حصول' پیداوار میں اضافہ کے ساتھ دولت کی منصفانہ تقسیم اور عدل اجتماعی کا قیام ___ یہ چیزیں ہماری معاشی پالیسی اور منصوبہ بندی کا ہدف کبھی بھی نہیں رہیں اور یہی وجہ ہے کہ معاشی پالیسی صرف مفاد پرست طبقات کا آلہ کار بنی رہی۔ وقت آگیا ہے کہ اس بت کو پاش پاش کر دیا جائے اور معاشی پالیسی اور منصوبہ بندی کے نظام میں بنیادی اور انقلابی تبدیلیاں کی جائیں تاکہ اس ملک کے معاشی وسائل اس ملک کے عام انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال ہو سکیں۔ اس کے لیے بالکل ایک نئے ذہن اور نئے زاویہ نظر کی ضرورت ہے۔ مغرب کے فراہم کردہ نمونوں (models) سے نجات اور اپنی اقدار

اور اپنے اصولوں کی روشنی میں واضح اہداف اور پالیسیوں کا تعین ضروری ہے۔ محض معاشی ترقی کے خدا کی پوجا نے معیشت ہی نہیں' معاش کی سیڑھی پر چڑھنے والے ہر فرد کو دنیا پرستی' اور مفاد پرستی کا شکار کر لیا ہے۔ زندگی کے اعلیٰ مقاصد' انسانوں کے حقوق کا احترام' اپنے ساتھ دوسروں کی فلاح کا مساوی اہتمام--- ان میں سے کوئی چیز بھی ہماری معاشی زندگی کا حصہ نہیں بن سکی۔

مشہور مورخ آرنلڈ ٹائن بی نے چھبیس تہذیبوں کے عروج و زوال کی داستانوں کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر انسان محض دنیاوی مقاصد اور مادی خوشی کے لیے اپنی ساری تگ و دو کرے تو ساری سرگردانی کے باوجود بھی حقیقی مسرت حاصل نہیں ہو پاتی۔ البتہ اگر کوئی اعلیٰ مقصد پیش نظر ہو' جیسے بدی کے مقابلے میں سچائی اور حق کی تائید' اور حقیقت مطلق یعنی خدا اور اس کی مرضی سے ہم آہنگی' تو اس کے ضمنی نتیجے کے طور پر دنیوی اور مادی خوشی اور اطمینان بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ (Arnold Toynbee, 'Christianity among the Relegions of the World' آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس' لندن' ۱۹۵۸' ص ۵۶)

روزنامہ انٹرنیشنل ہیرلڈ ٹربیون کا مشہور کالم نگار ولیم پفاف (William Pfaff) حالیہ ایشیائی مالیاتی بحران کے پس منظر میں سرمایہ دارانہ نظام' منڈی کی معیشت اور عالمگیریت کا دلچسپ تجزیہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر سوسائٹی اور ہر کلچر کا اپنا مزاج اور اہداف ہوتے ہیں اور محض ایک عالمگیر نظام کے نام پر ان تمام اقدار کو نظرانداز کر دینا سخت مہلک ہو سکتا ہے۔ ولیم پفاف دولت کے اخلاقی مطالبات اور مقتضیات کے احیا کی ضرورت کا احساس دلاتا اور لکھتا ہے:

"دولت کی اخلاقی ذمہ داریوں کا تصور ۱۹۵۰ کے عشرے تک موجود تھا اور اس کا اظہار اجتماعی شہریت (Corporate Citizenship) کے تصور میں ہوا۔ یعنی یہ تصور کہ تجارتی کمپنیوں کی ذمہ داری ان تمام عناصر کے بارے میں ہے جو کاروبار سے کسی بھی وجہ سے وابستہ ہیں یعنی stake holder ہیں' مثلاً مزدور اور معاشرہ بھی اسی طرح اہم ہیں جس طرح کمپنی کے حصہ دار۔ آج کے امریکی سرمایہ دارانہ نظام میں stake holder کا تصور معدوم ہو گیا ہے اور اب سب کچھ صرف share holder اور مینیجر کے فائدے کے لیے ہے۔ اجتماعی اخلاق اور صنعت و تجارت کا دیرینہ رشتہ ٹوٹ گیا ہے۔ ریاست اور چرچ کی علیحدگی کے نام پر مذہبی اثرات کو غیر موثر کر دیا گیا ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ عوام اور اشراف (elite) سب ہی ذاتی مفاد کے اسیر ہو گئے ہیں"۔ (ڈان' ۱۰ دسمبر ۱۹۹۷ بحوالہ انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹربیون)

دولت پرستی اور نفسا نفسی کی جو آگ امریکہ اور یورپ میں لگی ہوئی ہے اور جسے سرمایہ داری نے ایک معتبر چیز بنا دیا ہے' پاکستان کا مقتدر طبقہ بھی اسی آگ کی لپیٹ میں آ گیا ہے۔ اس رویے اور دولت پرستی کے اس کلچر کا خاتمہ اور اس کی جگہ معیشت اور اخلاق اور دولت اور انصاف کے اس رشتے کو بحال کرنے کی

ضرورت ہے جو اسلام اور تمام الہامی مذاہب کا خاصہ رہا ہے اور جن میں دولت کو ایک امانت تصور کیا جاتا ہے، جس کا حصول تو مطلوب ہے لیکن اس کا حصول اور صرف، دونوں حلال صورتوں میں عدل اجتماعی اور تمام انسانوں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے لیے اجتماعی فلاح و خوشحالی کے لیے ہے۔ یہی چیز دولت اور معاشی ترقی کو خیر، صلاح و فلاح کی قوت بناتی ہے اور انسانی معاشرے کو ظلم و استحصال سے محفوظ رکھتی ہے۔ ہماری معاشی پالیسی کو ہی سب سے پہلے اس نئے آہنگ (orientation) کی ضرورت ہے۔

دوسری بنیادی چیز خود انحصاری اور بیرونی امداد اور بیرونی سرمایے پر ایسی محتاجی سے بچنا ہے جو ایک طرف ہماری سیاسی اور معاشی آزادی کو متاثر کرے اور دوسری طرف ملک کو صرف بیرونی سرمایے اور بیرونی مصنوعات کی منڈی بنا دے اور یہاں حقیقی پیدا آوری عمل مستحکم نہ ہو سکے۔

مغربی اقوام نے سود کی بنیاد پر عالمی سرمایہ کاری اور ساہوکاری کا جو نظام قائم کیا ہے وہ اجتماعی ظلم کی بدترین مثال ہے۔ اس نظام کے ذریعے پوری دنیا کی معیشت کو چند عالمی ساہوکاروں کی گرفت میں دینے کی کوشش ہو رہی ہے۔ عالمگیریت اور منڈی کی معیشت اس سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ ہم نے چالیس سال کے تلخ تجربے کے ذریعے بچشم سر دیکھ لیا ہے کہ اس سودی سرمایہ داری کے ذریعے کوئی حقیقی ترقی ممکن نہیں اور بالآخر یہ سرمایہ اور بیرونی امداد ایسی آکاس بیل بن جاتی ہے جو نمو کی تمام صلاحیتوں کو ختم کر دیتی ہے اور سرسبز و شاداب درخت جل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔

جس وقت پاکستان میں معاشی ترقی کے نام پر کچھ ہمارے اپنے سیاست دان اور معاشی ماہرین امریکہ اور یورپ کے معاشی ماہرین، منصوبہ سازوں اور بنک کاروں کے تعاون سے بیرونی امداد اور عالمی سرمایہ کاری کا یہ ڈھول بجا رہے تھے اور ہمیں اس جال میں پھنسانے کی کوشش کر رہے ہیں، کچھ بالغ نظر رہنماؤں نے خودکشی کے اس راستے سے قوم کو روکنے کی کوشش کی، لیکن ان کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ آج ان کے الفاظ پر ایک بار پھر گہرے غور و خوض کی ضرورت ہے تاکہ نئی حکمت عملی پرانی غلطیوں سے پاک ہو سکے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جماعت اسلامی پاکستان کے کل پاکستان اجتماع عام (نومبر ۱۹۵۱ کراچی) میں ہوا کا رخ دیکھ کر متنبہ کیا تھا کہ:

"ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے جو کچھ کیا اور سوچا جا رہا ہے اس میں ہم کو دو بہت بڑی غلطیاں نظر آتی ہیں۔ ایک یہ کہ ان ساری تجویزوں میں زیادہ تر بیرونی سرمایے پر اعتماد کیا جا رہا ہے اور اس کو یہاں آنے کی دعوت دی جا رہی ہے، حالانکہ بیرونی سرمایے سے ایک ملک کی اپنی تعمیر و ترقی میں جتنی مدد ملتی ہے اس سے بہت زیادہ سیاسی اور معاشی نقصان پہنچتا ہے۔ مجھے کوئی مثال ایسی نہیں ملتی کہ کوئی ملک اس بلا کو دعوت دینے کے بعد سیاسی مغلوبی میں مبتلا ہونے اور معاشی لوٹ کھسوٹ کا تختہ مشق بننے

سے بچ گیا ہو۔ اور میرے علم میں یہ بات بھی نہیں ہے کہ ہمارے منتظمین ریاست کے پاس کوئی تعویذ ایسا موجود ہے جسے گلے میں باندھ دینے سے یہ بلا ہمیں نقصان نہ پہنچا سکے گی۔

دوسری غلطی، جو اس معاملے میں ہم دیکھ رہے ہیں، یہ ہے، کہ ذرائع کا بہت بڑا حصہ حقیقی تعمیر و ترقی کے کاموں پر صرف ہونے کے بجائے ایسے کاموں پر صرف ہو رہا ہے جن سے پاکستان اپنی ظاہری شان و شوکت کے اعتبار سے دولت مند ملکوں کے شانہ بشانہ رکھا جا سکے اور جسے دیکھ کر گھر کے ظاہر پرست اور باہر کے سطح بین لوگ اس ملک کے سربراہ کاروں کو داد دینے لگیں کہ انھوں نے واقعی اپنے ملک کو ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں لا بٹھایا ہے"۔ (ہمارے داخلی اور خارجی مسائل، از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، اسلامک پبلیکیشنز، ص ۲۸-۲۹)

پھر ۱۹۵۷ میں ایک انٹرویو میں مولانا مودودی نے بنیادی صنعتوں، خصوصیت سے فولادی صنعت کے قیام اور فروغ کی اپیل کی اور متنبہ کیا کہ مغربی میڈیا ہمیں گمراہ کر رہا ہے اور ہمیں سوچ سمجھ کر اپنی ترجیحات طے کرنی چاہییں۔ مولانا مودودیؒ نے کہا:

"موجودہ ترقی کی حالت یہ ہے کہ بعض بنیادی صنعتوں کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ مثال کے طور پر لوہے اور فولاد کی بنیادی صنعت کے قیام میں رکاوٹیں ڈالی جا رہی ہیں، حالانکہ جدید زراعت کے لیے بھی فولاد کی صنعت ضروری ہے۔ فولاد کی صنعت کے راستے میں جس طرح رکاوٹ ڈالی جا رہی ہے اس کے اصل مقاصد اور باطنی اسباب طشت ازبام ہو چکے ہیں اور یہ کسی سے چھپے ہوئے نہیں ہیں"۔ (روزنامہ تسنیم، ۱۴ اگست ۱۹۵۷)

اور پھر ایوب کے دور حکومت میں ۱۹۶۳ میں مولانا نے فرمایا:

"اب تک یہ ہوتا آ رہا ہے کہ غیر ملکی امداد پر سب سے زیادہ اعتماد کیا گیا اور یہ امداد بھی گر پڑ کر حاصل کی گئی جس سے ہمارے حلیفوں میں یہ تاثر پیدا ہوا کہ ہم ان کے دست نگر اور پروردہ ہیں۔ اس غلطی کے نتائج کھل کر سامنے آ گئے ہیں اور اگر ہم نے اب بھی تلافی نہیں کی تو ہمیں اس کا تباہ کن خمیازہ بھگتنا ہو گا"۔ (ہفت روزہ ایشیا، ۲۹ نومبر ۱۹۶۳)

اسی طرح سابق وزیر اعظم چودھری محمد علی نے اپنے ایک مضمون "غیر ملکی قرضے، دور رس مضمرات" میں قوم کو صاف الفاظ میں متنبہ کیا تھا:

"ان قرضوں کے تحت معاشی خوشحالی کا جو عارضی احساس پیدا ہوا ہے وہ اصل میں اس شاہ خرچ زمیندار کی حالت کے مترادف ہے جو اپنی چادر سے زیادہ پاؤں پھیلا کر ادھار لی ہوئی رقم سے عیش کرتا ہے، جب قرض لی ہوئی ایک رقم صرف ہو جاتی ہے تو وہ دوسری کے لیے ہاتھ دراز کرتا ہے، تا آنکہ وہ مکمل طور پر مہاجن کے پنجے میں جکڑا جاتا ہے"۔

ان قرضوں کی شرائط کے بارے میں انھوں نے لکھا:

"غیر ملکی قرضوں کی ایک شرط بالعموم یہ ہوتی ہے کہ قرضے کی رقم سے خریدا جانے والا سامان رقم دینے والے ملک سے ہی خریدا جائے اور قرض دینے والے عظیم ترین ملک امریکہ میں اشیا کی قیمتیں عالمی قیمتوں کے مقابلے میں اوسطاً ۳۵ سے ۴۰ فی صد تک زیادہ ہوتی ہیں۔ اس طرح ہم دس لاکھ ڈالر کے غیر ملکی قرضے پر عملاً محض چھ ساڑھے چھ لاکھ ڈالر کی اشیا حاصل کرتے ہیں، اس کے علاوہ ماہروں، مشیروں کی فیس دینی ہوتی ہے اور قرض دینے والے ملکوں کے جہاز سامان کی ترسیل کے لیے حاصل کرنے ہوتے ہیں"۔

قرضوں کے استعمال کے بارے میں چودھری محمد علی نے لکھا تھا:

"ان خطیر قرضوں کو ایسی اہم مشینری اور دوسرے بھاری سازوسامان کے حصول کے سلسلہ میں بروئے کار نہیں لایا گیا جن سے ملک میں پیداواری صلاحیت بھی بڑھتی اور غیر ملکی قرضوں کی ادائیگی بھی ممکن ہوتی بلکہ ان کا بیشتر حصہ روز مرہ کی ضرورت پوری کرنے کے لیے صرف ہوا"۔

وہ مزید لکھتے ہیں:

"۷۰-۱۹۶۹ کے بعد اگر پاکستان مزید قرضے نہ لے تو بھی سابقہ قرضوں کی واپسی اکیسویں صدی تک جاری رہے گی ہم پرانے قرضوں کو نمٹانے کے لیے نئے قرض لینے پر مجبور ہوں گے اور سود در سود کی وجہ سے قومی معیشت متزلزل ہو گی"۔

غیر ملکی قرضوں کے سیاسی مضمرات پر تبصرہ کرتے ہوئے چودھری محمد علی مرحوم نے لکھا:

"جب ایک قوم معاشی طور پر دیوالیہ پن کی راہ پر گامزن ہو جاتی ہے تو قرض دینے والوں کی طرف سے اس کو فکر و عمل کی آزادی سے محروم کرنے کی کوشش بھی ہوتی ہے۔ قومی معاملات پر خارجی طاقتوں کا بتدریج اثر مقتدر افراد کے اخراج و تقرر کی شکل بھی اختیار کر سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان طاقتوں کا دباؤ عام لوگوں کی نظر سے اوجھل ہو لیکن اس کا ہولناک سلسلہ جاری رہتا ہے خاص کر اس وقت جب نئے قرضوں کی ضرورت درپیش ہوتی ہے"۔

کئی اور اہل علم نے اپنے اپنے انداز میں بیرونی امداد اور غیر ملکی قرضوں کے بارے میں نیز بنیادی صنعت اور زراعت میں خود انحصاری کی اہمیت کو واضح کیا تھا۔ آج ۴۰ سال کے بعد وہ سارے تباہ کن اثرات جن سے متنبہ کیا تھا، ہم بچشم سر دیکھ سکتے ہیں لیکن ارباب اقتدار ہیں کہ ابھی تک ان کی آنکھیں نہیں کھلیں۔

حال ہی میں ورلڈ بنک کے سابق نائب صدر سید شاہد حسن کا بھی ایک انٹرویو شائع ہوا ہے جو اگر ایک طرف گھر کے بھیدی کی گواہی کی حیثیت رکھتا ہے تو دوسری طرف خود ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کی پچاس سالہ کارکردگی پر بھرپور طنز ہے۔ ان کا ارشاد ہے:

"میں نے کبھی کسی ایسے معاشی نظام کو پنپتے نہیں دیکھا، جہاں حکومت جاری اخراجات پورے کرنے کے لیے بیرونی قرضوں، بالخصوص قلیل مدت قرضوں پر لامحدود انحصار کرتی ہو۔ پاکستان کی موجودہ حکومتوں کی ترجیحات میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جو قیمتی اور قلیل بیرونی فنڈ پر انحصار کم کرے۔ پاکستان کا بیرونی امداد پر انحصار بڑھتا ہی جا رہا ہے جبکہ اخراجات میں کمی لازماً ہونا چاہیے۔ مجھے محاصل سے آمدنی میں غیر معمولی اضافے کے بغیر، پاکستان کے معاشی مسائل کا کوئی حل نظر نہیں آتا۔ (ترجمہ)

(فرائیڈے ٹائمز، ۱۷ تا ۲۳ اکتوبر ۹۷ء ص ۲۴)

لیکن حکومت ہے کہ قرض پر قرض لیے جا رہی ہے اور قرض میں ہر نئی قسط کو اپنی پالیسیوں کی کامیابی کے سند کے طور پر پیش کر رہی ہے اور اس سے مکمل صرف نظر کیے ہوئے ہے کہ اس "فاقہ مستی" کے کتنے تباہ کن اثرات ملک کے لیے خصوصیت سے کم آمدنی والے افراد کے لیے رونما ہو رہے ہیں۔

معاشی منصوبہ بندی کے اس ناکام تجربے پر کھلی بحث وقت کی اہم ضرورت ہے۔ حال ہی میں جو کچھ مشرقی ایشیا کے ممالک میں ہوا ہے اور ہو رہا ہے اس کی حیثیت بھی ایک تازیانہ عبرت سے کم نہیں۔ چھوٹے ممالک کے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ اپنی موثر معاشی حصار بندی کریں، انفرادی اور اجتماعی خود انحصاری کا راستہ اختیار کریں، اپنے وسائل کا صحیح صحیح استعمال کریں، بیرونی امداد اور سرمایہ کاری کے اثرات اور تقاضوں کا دقت نظر سے جائزہ لیں اور اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائیں۔ کفایت شعاری کو اختیار کریں اور معاشی ترقی کا وہ اسلوب اختیار کریں جس کے نتیجے میں وسائل کو بہترین ٹیکنالوجی کی مدد سے ترقی دی جا سکے، دولت کی منصفانہ تقسیم ہو اور ملک کے تمام افراد اور حصوں میں خوشحالی، ضروریات زندگی اور وسائل ترقی کی فراوانی ممکن ہو سکے۔ ترقی کے اس اسلوب کے ذریعے معاشی، معاشرتی اور سیاسی آزادی کا دفاع اور استحکام بھی ہو سکتا ہے اور روح اور جسم دونوں کی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں۔

اقبال نے جن اقدار کی تعلیم ہمیں دی تھی وہ وہی ہیں جو خود اسلام کی بہترین روایات ہیں اور ان کے ذریعے دولت اور عزت دونوں حاصل ہو سکتے ہیں۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی   جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

نیز۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی   تو اگر میرا نہیں بنتا، نہ بن، اپنا تو بن

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں   تن کی دولت چھاؤں ہے، آتا ہے دھن، جاتا ہے دھن

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات   تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

حکمت مودودیؒ

مختارِ کُل انتظامیہ

دنیا میں ہر نظام حکومت کے تین بنیادی شعبے ہوا کرتے ہیں۔ ایک' انتظامیہ جس کے ہاتھ میں ملک کا نظم و نسق چلانے کی طاقت ہوتی ہے۔ دوسرا' قانون ساز ادارہ جس کا کام ملک کے لیے قانون بنانا ہوتا ہے۔ تیسرا' شعبہ وہ ہوتا ہے جس کا کام ہر ایک کو قانون کی خلاف ورزی سے روکنا ہوتا ہے' یعنی عدلیہ۔ کوئی نظام حکومت اس وقت تک صحیح طریقے سے نہیں چل سکتا جب تک یہ تینوں اپنے اپنے حصے کا کام بے لاگ طریقے سے انجام دینے کے لیے آزاد نہ ہوں اور ہر ایک دوسرے کے دباؤ سے محفوظ نہ ہو۔ مگر یہاں انتظامیہ کو اتنا طاقتور اور ہمہ گیر اختیارات کا مالک بنا دیا گیا ہے کہ قانون ساز ادارہ اور عدلیہ' دونوں شعبے اس کے آگے بے بس اور مفلوج ہو کر رہ گئے ہیں--- اسمبلیوں سے ہر وہ قانون پاس ہو کر رہے گا جو انتظامیہ چاہے' اور کوئی ایسا قانون پاس نہ ہو سکے گا جو انتظامیہ نہ چاہے۔ اس طرح قانون بنانے کے اصل اختیارات اسی ادارے کے ہاتھ میں آگئے ہیں جس کے ہاتھ میں ڈنڈا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس طریقے سے کبھی منصفانہ قوانین نہیں بن سکتے' اور جب قانون سازی انصاف پر مبنی نہ ہو تو عدالتیں انصاف کیسے کر سکتی ہیں۔ عدالتیں خود تو قانون نہیں بناتیں۔ ان کو تو جو قانون مجلس قانون ساز بنا کر دیتی ہے اسی کے مطابق وہ فیصلے کرنے پر مجبور ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جس ملک میں انصاف ہی نہ رہے' وہ کتنی دیر تک بخیریت چل سکتا ہے؟ دنیا بھر میں جہاں بھی آمریت قائم ہوتی ہے' اس کی اولیں کوشش یہ ہوتی ہے کہ قانون ساز ادارے اور عدلیہ کو مفلوج کر دے' کیونکہ اس کے بغیر انتظامیہ مختار کل نہیں ہو سکتی۔ اور یہی وہ چیز ہے جس نے آخر کار ہر اس ملک کو تباہ کیا ہے جہاں آمریت قائم ہوئی ہے۔ خدا نے زمین و آسمان کو عدل پر قائم کیا ہے۔ کوئی ایسا نظام یہاں جڑ نہیں پکڑ سکتا جو عدل سے خالی ہو۔

انتظامیہ کے اس طرح مختار کل بن جانے کے تباہ کن نتائج تو بے شمار ہیں' مگر میں چند نمایاں نتائج آپ کو گنا کر بتاتا ہوں' تاکہ آپ اندازہ کریں کہ یہ نظام قائم کر کے اس ملک کے ساتھ کیا خیر خواہی کی گئی ہے۔

اس قسم کی حکومت چونکہ عوام کے اعتماد' ان کے تعاون' اور ان کی رضامندی سے بے نیاز ہوتی ہے' اس لیے اسے اپنے آپ کو قائم اور باقی رکھنے کے لیے کچھ دوسرے سہارے پیدا کرنے ہوتے ہیں' اور یہ سہارے تین ہی ہو سکتے ہیں۔ ایک' سرکاری افسر' دوسرے' ملک کے بڑے بڑے سرمایہ دار' تجار' کارخانہ دار' زمیندار وغیرہ' تیسرے' ملک کے باشندوں میں سے کوئی ایسا گروہ جس کا مفاد حکومت سے اس طرح وابستہ کر دیا جائے کہ وہ عوام کے مقابلے میں ہر وقت اپنی اغراض کے لیے حکومت کی حمایت کرے' مثلاً

انگریزی دور کے نمبردار اور سفید پوش اور خطاب یافتہ لوگ ۔۔۔۔ اور تمغے اور انعامات اور مربعے اور روٹ پرمٹ اور لائسنس پانے والے خوش نصیب حضرات۔ یہ سب لوگ چونکہ حکومت کے ستون ہوتے ہیں جن کے سہارے وہ کھڑی ہوتی ہے' اس لیے وہ ہر طرح کے ظلم' رشوت' خیانت' بے غل و غش' منافع خوری' بلیک مارکیٹنگ' اسمگلنگ' لوٹ کھسوٹ اور قسم قسم کی زیادتیاں کرنے کے لیے آزاد ہوتے ہیں۔ حکومت کے لیے ان کا محاسبہ کرنا اور ان کا ہاتھ پکڑنا ممکن نہیں ہوتا' بلکہ وہ انھیں یہ سب کچھ کرنے کی کھلی چھوٹ دینے پر مجبور ہوتی ہے' کیونکہ وہی تو اس کے سہارے ہیں' اور وہ حکمرانوں کے کوئی رشتے دار نہیں ہیں کہ اپنا کوئی مفاد حاصل کیے بغیر ان کے خیمہ بردار بنے رہیں۔

اس قسم کی حکومت اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے مجبور ہوتی ہے کہ پریس پر پابندیاں لگائے' جلسوں اور جلوسوں اور مظاہروں کو روکے' خبر رسانی کے ذرائع پر کنٹرول کرے' ملک کے اصل حالات لوگوں کے سامنے بے کم و کاست نہ آنے دے' یکطرفہ پروپیگنڈے سے لوگوں کو یقین دلائے کہ ملک میں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے اور بڑی ترقیات ہو رہی ہیں' اور کسی قسم کے آزادانہ بحث مباحثے کی گنجایش باقی نہ رہنے دے جس سے لوگ ہر نقطہ نظر اور معاملات کے ہر پہلو سے واقف ہو کر رائے قائم کرنے کے قابل ہو سکتے ہوں۔ یہ ساری چیزیں اس کے وجود کے لیے ضروری ہوتی ہیں' مگر قوم کے لیے مہلک ہوتی ہیں۔ اس سے ایک بے خبر' بے زبان' بے عقل و ہوش اور فریب خوردہ قوم تیار ہوتی ہے' جو ہمیشہ نابالغ ہی بنی رہتی ہے' کبھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے لائق نہیں ہو سکتی۔

اس قسم کی حکومت اپنی قوم کو خود بزدل' ڈرپوک اور دبو بناتی ہے اور اسے یہ تربیت دیتی ہے کہ ہر ظالم کا ظلم سہے اور اف نہ کرے۔ ایسی قوم صرف اپنے گھر ہی کے جباروں کے لیے نرم چارہ نہیں ہوتی' بیرونی حملہ آوروں کے لیے بھی نرم چارہ ہی ثابت ہوتی ہے۔

اس قسم کی حکومت ملک کے اخلاق کا دیوالہ نکال دیتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ منڈی میں وہی مال آیا کرتا ہے جس کی مانگ ہو' اور جس مال کی مانگ نہ ہو اس کی پیداوار ہی بند ہو جاتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جب ریاست کی منڈی میں مانگ ہو' خوشامدیوں کی' ضمیر فروشوں کی' اغراض کے بندوں کی' اور قیمت اسی مال کی اٹھتی ہو تو پھر یہی مال زیادہ سے زیادہ پیدا ہوتا چلا جائے گا۔ حق پرست' حق گو اور باضمیر انسان کیسے پیدا ہوں گے جبکہ ان سے زیادہ نامرغوب اور غیر مطلوب انسان یہاں اور کوئی نہ ہوں۔

اس قسم کی حکومت یہ کوشش بھی کرتی ہے کہ ملک میں کوئی متبادل قیادت باقی نہ چھوڑے۔ جن لوگوں اور جماعتوں کی طرف بھی ملک کے عوام اس امید کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں کہ وہ موجودہ حکمرانوں کی جگہ لے سکتے ہیں' ان کو یا تو ختم کیا جائے یا گوشہ گمنامی میں پھینکا جائے' یا ان کو بدنام کرنے کے لیے ان کے خلاف یکطرفہ پروپیگنڈا کیا جائے' تاکہ عوام بالآخر یہ یقین کرلیں کہ موجودہ حکمران بھلا کریں یا برا' بہرحال ملک کے نظام کو چلانے والا ان کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ (سکھر میں جلسہ عام سے خطاب' ۲۰ مارچ ۱۹۶۸)

روزہ اور ترکِ گناہ

مولانا اشرف علی تھانویؒ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے دار کے حق میں ارشاد فرمایا ہے:
جس شخص نے قول باطل اور اس پر عمل کرنا ترک نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (بخاری، ج ۱، ص ۲۵۵)

طاعات [بندگی] کا صحیح ہونا اور نیکیوں کا قبول ہونا، اس پر موقوف نہیں کہ گناہ کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ لیکن گناہوں کی موجودگی میں طاعات کی برکت ضرور کم ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی نماز بھی پڑھتا ہو اور غیبت بھی کرتا ہو تو یہ نہ کہیں گے کہ غیبت کی وجہ سے نماز صحیح نہیں ہوئی، جیسا کہ بعض لوگ جب گناہ نہیں چھوڑتے، تو طاعت ترک کر دیتے ہیں۔ ایک شخص سے مرتے وقت کہا گیا کہ کلمہ پڑھ لے، مگر اس نے کہا کہ ایک کلمے سے کیا ہو گا، میرے گناہوں کی پوٹ اتنی ہے کہ ایک کلمہ اس کو میرے سر سے اتار نہیں سکتا۔ آخر اسی طرح اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اس طرح کی مایوسی سے بچنے کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگر گناہ بھی کرے اور طاعت بھی، تو دونوں کی سزا و جزا الگ الگ ہے۔ اس لیے جتنی طاعت بھی کر سکے اس کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔

حدیث کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص روزے کے دوران جھوٹ اور برے کاموں کو نہ چھوڑے، تو اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔ یعنی جب گناہ کی بات اور گناہ کا کام نہ چھوڑا تو روزے کا کیا فائدہ ہوا! مقصود یہ ہے کہ ہرچند کہ ثواب ملتا ہے، مگر نیک کاموں کی برکت کم ہو جاتی ہے، مثلاً غیبت کی اور پھر نماز بھی پڑھی، تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ نماز کا ثواب نہیں ملا، لیکن نماز کی برکت ضرور کم ہو جائے گی۔ جو نورانیت غیبت کے ترک کی حالت میں نماز کے اندر ہوتی ہے، وہ نورانیت ارتکاب غیبت کے بعد نہ ہو گی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک تندرست آدمی غذا کھائے تو نافع اور مقوی ہو گی اور ایک مریض کھائے جس کا معدہ خراب ہے تو زیادہ مفید نہ ہو گی، اگرچہ کم و بیش اثر ضرور ہو گا۔ لہٰذا گناہوں کو چھوڑنے کے بعد جو نیک کام ہوں گے، ان میں زیادہ برکت ہو گی۔

روزے کے آداب ضروریہ میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جیسے کھانے پینے سے منہ بند رکھتے ہیں، اسی طرح دوسرے گناہوں کو بھی بالکل ترک کر دیں۔ عجیب بات ہے کہ لوگ روزے میں کھانے پینے اور صحبت کے ترک کو تو ضروری سمجھتے ہیں لیکن گناہ کے ترک کو ضروری نہیں سمجھتے حالانکہ وہ تینوں کام ایسے ہیں کہ دوسرے اوقات میں حلال بھی تھے اور رمضان میں بھی رات کے وقت جائز ہیں۔ جب روزے کی وجہ سے بعض حلال کام بھی حرام ہو گئے تو جو اعمال ہر وقت حرام ہیں، ان کا ترک روزے میں کیوں ضروری نہ ہو گا۔ پس اگر کسی نے روزے میں غیبت کی اور بری نگاہ سے دیکھا تو یہ تو نہ کہیں گے کہ اس کا روزہ نہیں ہوا، مگر یہ کہیں گے کہ روزے کی برکت جاتی رہی۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (الزلزال ۹۹: ۷-۸) ’’پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا‘‘---

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی حاکم اپنے فرائض منصبی اچھی طرح انجام دے اور رشوت بھی لے، اور اگر حکام بالا کو اطلاع ہو جائے تو رشوت ستانی پر سزا تو ملے گی لیکن جتنا کام کیا تھا، اس کی تنخواہ بھی ملے گی۔

اس پر تو سب کا اجماع ہے کہ گناہ کرنے سے روزہ باطل نہیں ہو گا اور اس کی قضا نہیں کرنا پڑے گی۔ پس معلوم ہوا کہ اس حدیث کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ روزہ نہ ہو گا، کوئی اور معنی ہیں۔ سو وہ یہی ہیں کہ حق تعالیٰ کو زیادہ توجہ اس ترک طعام پر نہ ہو گی۔ گناہوں کے ساتھ ساتھ جو طاعت کی جاتی ہے، اس سے وہ نور، شگفتگی اور مسرت نہیں محسوس ہوتی جو نیکی سے حاصل ہونا چاہیے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بہت لذیذ کھانا پکایا اور اس میں تھوڑی راکھ بھی جھونک دی، جس سے مزا کرکرا ہو گیا۔

گناہ کو طاعت سے دو قسم کا علاقہ [نسبت] ہے۔ بعض گناہ تو وہ ہیں کہ وہ نیکیوں کو ضائع کر دیتے ہیں اور ان کی موجودگی میں کوئی نیک عمل صحیح ہوتا ہی نہیں، مثلاً کفر اور ایذاے رسولؐ اور احسان کرنے کے بعد اس کو جتانا اور تکلیف پہنچانا۔ ہمارا یہ دعویٰ کہ گناہوں کے ساتھ بھی نیکی قبول ہوتی ہے وہ ایسے گناہوں کے متعلق نہیں ہے۔ یہاں صرف وہ معاصی مراد ہیں جن کے وجود کو طاعت کے وجود یا بقا میں دخل نہ ہو۔ ایسے گناہوں کے بارے میں دعویٰ کرتا ہوں کہ ان سے نیکیاں ضائع نہیں ہوتیں، برکت جاتی رہتی ہے، جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا: اگر گناہوں سے نہ بچے تو کھانا پینا چھوڑنے کا کیا فائدہ!

اب اس حدیث کے مقصود پر غور کرنے کی ضرورت ہے، یعنی یہ کہ گناہ کے ترک کا اہتمام بالخصوص روزے میں ضروری ہے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ گناہ برا ہے تو کم از کم مہینہ بھر کے لیے تو گناہ چھوڑ دو۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس مہینے کے بعد گناہ کرنے کی اجازت ہے کیونکہ نفس سے وعدہ لینا مشکل ہے۔ اس واسطے میں نے یہ کہا کہ ایک مہینے کے لیے گناہ نہ کرنے کا عہد کر لو۔ اس میں آسانی ہوتی ہے اور ہمیشہ

کے لیے تنبہ [نصیحت / آگاہی] ہو جاتا ہے۔ ایک بزرگ نے اپنے نفس سے یہ صلح کرلی تھی کہ ایک گھنٹہ ذکر کر لو، اس کے بعد پھر ایک گھنٹے کے لیے، اسی طرح مدتوں مشغول رہے۔ پس نفس سے یہ کہہ دو کہ رمضان تک کوئی گناہ نہ کرے اور صرف ایک مہینے کا عہد اس سے لو۔ پھر اس کے بعد، میرا یقین ہے کہ، رمضان تقویٰ کی حالت میں گزر گیا تو پھر یہ تقویٰ ان شاء اللہ نہ ٹوٹے گا۔ غرض اس ماہ کے لیے سب گناہ چھوڑ دو۔ زبان کے گناہ بھی، جیسے گالیاں، غیبت، شکایت کرنا، کسی ناجائز مضمون کا پڑھنا--- کان کے گناہ بھی جیسے گالیاں سننا، گانا سننا--- ہاتھ کے گناہ بھی، جیسے کسی پر ظلم کرکے اس کو مارنا پیٹنا، سودی مضمون کا لکھنا وغیرہ۔ اسی طرح پیر [پاؤں] کے گناہ بھی، جیسے ناچ کی مجلس میں جانا، جھوٹے مقدمے کی پیروی کے لیے جانا، جھوٹی شہادت کے لیے جانا اور سب سے بڑھ کر پیٹ کے گناہ جیسے، رشوت کا، سود کا اور غصب کے مال کا کھانا۔

غرض رمضان میں ہر قسم کے گناہ بالکل چھوڑ دو، پھر ان شاء اللہ تعالیٰ وہ روزہ، مبارک روزہ ہو گا اور پھر وہ تمھاری شفاعت کرے گا اور وہ روزہ ہو گا جس کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں: انا اجزی بہ (میں خود اس کا بدلہ دیتا ہوں)۔ اور اگر گناہ نہ چھوڑے تو روزہ تو ہو گا لیکن ایسا ہو گا کہ جیسے تم کسی اپنے دوست سے کہو کہ ہم کو ایک آدمی لا دو اور وہ کسی ایسے آدمی کو لا دے کہ اس کے کان بھی نہ ہوں، آنکھ بھی نہ ہو، لنگڑا بھی ہو، لنجا بھی ہو، بات بھی نہ کر سکتا ہو، تو یہ شخص آدمی تو ضرور ہے، لیکن بیکار۔ صرف ایک سانس کے چلنے کی وجہ سے اس کو حیوان ناطق کہیں گے۔ تو جیسے یہ شخص آدمی ہے بھی اور نہیں بھی، ایسا ہی یہ روزہ ہے بھی اور نہیں بھی۔ اور یہ روزہ اس قابل ہے کہ اس کو دفن کر دیا جائے۔

اب ختم کرتا ہوں۔ مجھے جو کچھ کہنا تھا میں کہہ چکا۔ خدا تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ توفیق عطا فرمائے۔

(مفاسدِ گناہ سے ماخوذ، تدوین: عارفہ اقبال)

انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا امین احسن اصلاحی طویل علالت کے بعد ۹۳ سال کی عمر میں ۱۵ دسمبر کو اپنے رب سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مولانا محترم کے اعمال صالحہ کو قبول فرمائے، لغزشوں سے درگزر فرمائے، اور انھیں جنت کے اعلیٰ ترین درجات میں مقام دے۔ وہ جماعت اسلامی کے اولین معماروں میں سے تھے۔ انھوں نے قرآن مجید کی جو بے مثال خدمت کی ہے اس سے ایمان کی ہزاروں شمعیں روشن ہوئی ہیں۔ ترجمان القرآن کے رفقا ان کی مغفرت کے لیے دعا کرتے ہیں اور ان کے پسماندگان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ ان پر مضمون آیندہ شمارے میں ملاحظہ فرمایئے۔ (مدیر)

زندگی کا روزہ

رمضان کا روزہ

ہر روز غروب آفتاب پر ختم ہوتا تھا

لیکن--- زندگی کا بڑا روزہ

آفتاب عمر کے غروب ہونے پر ختم ہوگا!

زندگی بھر کے اس طویل روزہ کا افطار

رسول پاکؐ کے دست مبارک میں لیے جام کوثر سے ہو،

یہ تمنا، یہ آرزو ہر مسلمان کی ہونا چاہیے۔

رمضان کے روزے کی طرح اس روزے میں بھی،

کچھ باتیں منع ہیں، کچھ کی اجازت ہے

لین دین میں، شادی بیاہ میں، روز مرہ امور میں

شریعت اسلامی کی پابندی کیجیے

رسولؐ کے اسوہ دعوت الی اللہ کو اپنا شعار بنائیے

خیال رکھیے یہ روزہ ٹوٹ نہ جائے

تاکہ جو افطار و ضیافت اہل ایمان کے تیار ہے

آپ کے حصے میں ضرور آئے!!

(بندۂ خدا)

روزوں کی حکمت

شاہ ولی اللہ ؒ

انسان کی خواہشات نفس اور اس کی حیوانی قوت کا اظہار کھانے پینے اور شہوانی لذتوں میں مصروف رہنے کے باعث ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کی ملکوتی صفات مغلوب رہتی ہیں اور نتیجتاً خدا سے غفلت اور حدود اللہ سے لاپروائی پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے کہ ادیان سابقہ نے بھی اس کمزوری کے تدارک کے لیے مخصوص احکام مقرر کیے تھے جن کا مقصد یہ رہا ہے کہ انسان کی حیوانی صفات کو اس کی ملکوتی صفات کے تابع کر دیا جائے تاکہ وہ ملائکہ کے رنگ میں رنگ جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ایک ہی راہ ہے' وہ یہ کہ انسان کی قوت ملکیہ جن باتوں کا تقاضا کرے' اس کی اطاعت کی جائے اور بار بار کی جائے یہاں تک کہ انسان کو اس اطاعت کی پوری مشق ہو جائے۔

یہ ایسے امور ہیں جن سے روح کو خوشی اور سرور حاصل ہوتا ہے کیونکہ ان سے ملائکہ کے ساتھ نسبت پیدا ہوتی ہے اور ان چیزوں کا ترک کرنا جن کا انسان کی حیوانی فطرت تقاضا کرتی ہے' ان سے ملاء اعلیٰ کے ساتھ مناسبت اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی پر معرفت حاصل ہوتی ہے۔ یہ اعلیٰ صفات صرف روزہ ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ چونکہ ان امور کا التزام عوام الناس کے لیے باوجود ضروری تدابیر اختیار کرنے کے ممکن نہ تھا' کیونکہ وہ مال اور اہل و عیال میں مشغول رہتے ہیں' اس لیے یہ امر ضروری ہوا کہ وقفے وقفے سے ایک مقررہ وقت میں روزوں کا التزام فرض کر دیا جائے تاکہ ملکوتی صفات کے حصول سے فرحت اور خوشی حاصل ہو اور اس سے پیشتر جو کوتاہی سرزد ہوئی ہو' اس کا مداوا ہو جائے۔ اور اس کی حالت اس گھوڑے کی سی ہو جائے جس کا رسہ کسی کھونٹے سے بندھا ہوا ہو اور وہ دائیں بائیں گھوم پھر کر واپس اپنے کھونٹے کی طرف لوٹ آئے۔

یہ بات طے ہو جانے کے بعد کہ روزے ہی کے ذریعے مذکورہ بالا صفات کا حصول ممکن ہے یہ بھی ضروری ہوا کہ اس عبادت کی مقدار مقرر کی جائے اور اس کو لوگوں کی صوابدید پر نہ چھوڑ دیا جائے تاکہ کوئی شخص اس میں افراط و تفریط نہ کر سکے۔ ورنہ تفریط کرنے والے اس عبادت میں اتنی تخفیف کر دیتے جو

حصول مقصد کے لیے کافی نہ ہوتی اور اس سے متوقع نفع حاصل نہ ہوتا۔ اسی طرح افراط کرنے والے اس میں اتنی شدت برتتے اور اضافہ کرتے کہ انسان کے اعضاو جوارح اس کے متحمل نہ ہوتے اور روزوں کا سرور و نشاط جاتا رہتا اور انسان اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتا۔

روزہ دراصل ایک تریاق ہے جو نفس انسانی کے زہریلے اثرات کو زائل کرنے میں کام آتا ہے۔ ظاہر ہے اس سے انسانی جسم کو تکلیف بھی برداشت کرنا پڑتی ہے۔ چنانچہ یہ مناسب تھا کہ بقدر ضرورت صحیح مقدار مقرر کر دی جائے۔ کھانے پینے میں کمی کرنے کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ صرف تھوڑی سی مقدار میں کھایا اور پیا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ کہ دو کھانوں کے درمیان عام عادت سے زیادہ لمبا وقفہ کر دیا جائے۔ شارع نے دوسرے طریقے کا انتخاب کیا۔ اس لیے کہ یہ طریقہ انسان کو کمزور کرتا ہے اور اسے تھکاتا ہے اور عملاً بھوک پیاس کا مزہ چکھاتا ہے۔ اگرچہ پہلے طریقے میں بھی کمزوری ہو جاتی ہے لیکن نفس کو اس کی پروا نہیں ہوتی حتیٰ کہ انسان بالکل نڈھال ہو جائے۔ پھر اس میں مقدار کا تعین بھی مشکل ہوتا ہے کیونکہ ہر شخص کی خوراک مختلف ہوتی ہے۔ کچھ لوگ عادتاً زیادہ کھاتے ہیں اور کچھ کم کھاتے ہیں۔ البتہ کھانوں کے درمیان وقفہ کرنے پر عرب و عجم اور تمام سلیم المزاج لوگوں کا اتفاق ہے اور سب لوگ دو وقت یعنی صبح و شام کھاتے ہیں یا صرف ایک بار ہی کھاتے ہیں۔ پہلے طریقے میں ایک قباحت یہ بھی ہے کہ اگر کھانے کی مقدار لوگ خود مقرر کریں۔ تو یہ بات شریعت کے مقصد کے خلاف ہوتی۔ مثل مشہور ہے کہ جس نے بھیڑیے کو چرواہا بنایا اس نے ظلم کیا۔

جب دوسرا طریقہ ہی موثر تدبیر ہے تو درمیانی وقفے کا تعین بھی ضروری ہوا۔ ظاہر ہے یہ وقفہ اتنا طویل بھی نہ ہو جو باعث ہلاکت ہو جائے' مثلاً تین دن اور تین راتیں مسلسل روزہ رکھنا۔ ایسا کرنا شریعت کے مقصد کے خلاف ہوتا اور عام لوگ اس کے ۔ کلف نہیں ہو سکتے تھے۔ اور مقصد یہ بھی ہے کہ بھوکا رہنا بار بار اور مسلسل ہو تاکہ مشق و اطاعت کی عادت ہو جائے۔ ورنہ محض ایک بار ہی بھوک کی تکلیف برداشت کرنا' چاہے وہ کتنی ہی شدید کیوں نہ ہو' مفید نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ وقفے کی میعاد ایسی ہو جسے ہر کس و ناکس سمجھ سکتا ہو اور اس کا متحمل ہو سکتا ہو۔

ان تمام باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے پورے ایک ماہ کے لیے روزانہ سارا دن کھانے پینے اور مباشرت سے رکے رہنے کا حکم دیا گیا۔ اس لیے کہ ایک دن سے کم مقدار کا مقرر کرنا ایسا ہے جیسے دوپہر کے کھانے کو کچھ دیر کر کے کھایا جائے۔ اگر روزہ صرف رات ہی کا ہوتا تو سب لوگ اس کے عادی ہیں۔ اس کی لوگوں کو پروا نہ ہوتی۔ اسی طرح ایک ہفتہ یا دو ہفتے ازحد قلیل مدت ہے جو موثر نہیں اور دو ماہ کی مدت اتنی طویل ہے جس سے آنکھیں دھنس جاتی ہیں اور انسان بالکل نڈھال ہو جاتا ہے۔ ہم نے بے شمار مرتبہ اس کا تجربہ کیا ہے۔

دن کے تعین کے لیے طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک کا وقت مقرر کیا کیونکہ عربوں کے ہاں اس کو دن شمار کرتے ہیں۔ عاشورہ کے دن اس حساب سے ان میں روزہ رکھنے کا دستور تھا۔ اور مہینے کے لیے ایک چاند سے دوسرے چاند تک کی مدت شمار کی، یہ بھی عرب رواج کے مطابق ہے۔

جب عرب و عجم اور عوام الناس کی اصلاح مقصود ہوئی تو اس امر کی بھی ضرورت ہوئی کہ اس مہینے کا انتخاب لوگوں کی رائے پر نہ چھوڑ دیا جائے کہ ہر آدمی اپنے لیے وہ مہینہ چن لے جس میں اسے روزہ رکھنا آسان ہو۔ اس لیے کہ ایسا کرنے میں عذر کرنے اور بچ کر نکل جانے کا دروازہ کھل جاتا ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اس طرح اسلام کی عظیم ترین عبادت گمنامی میں جا پڑتی۔

یہ بات کہ تمام دنیا کے مسلمان ایک ہی وقت پر یکساں طور پر اس عبادت پر کاربند ہوں، اس سے یہ عبادت ان پر آسان ہو جاتی ہے اور اس پر عمل کرنے کی ان میں ہمت پیدا ہوتی ہے۔ نیز مسلمانوں کی یہ اجتماعی عبادت جس میں ہر خاص و عام شامل ہو، اس بات کا سبب بنتی ہے کہ ان پر ملاء اعلیٰ سے برکات نازل ہوں۔ ان میں جو کاملین ہیں ان کے انوار اور دعاؤں سے کم درجے کے لوگ بھی مستفید ہوتے ہیں۔ اس عبادت کے لیے جس ماہ کا انتخاب کیا وہ وہی ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا۔ اس سے زیادہ مناسب کوئی اور مہینہ نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں ملت مصطفویہؐ کی تکمیل ہوئی اور شب قدر کا بھی اس مہینے میں پائے جانے کا قوی احتمال ہے۔

اس مہینے کا ایک درجہ جو ہر ایک کے لیے لازم ہے اور ممکن بھی ہے، وہ روزے رکھنا اور پانچوں وقت کی نماز ادا کرنا ہے۔ چنانچہ مروی ہے: جس نے عشا کی اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی اس نے گویا قیام اللیل کیا۔ دوسرا درجہ پہلے سے کمیت اور کیفیت میں اعلیٰ ہے، وہ یہ کہ رمضان کی راتوں میں قیام کرے اور زبان اور تمام اعضا کو گناہوں سے پاک رکھے۔ رمضان کے فرض روزوں کے علاوہ ماہ شوال میں چھ روزے، ہر ماہ میں تین روزے، عاشورہ اور عرفہ کے دن کے روزے رکھے اور رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرے۔

(انتخاب از حجتہ اللہ البالغہ، تدوین: عبدالرشید صدیقی)

یہ حساب ضرور دینا ہے:

تم نے اپنا مال کہاں خرچ کیا؟

ہم جو شادی بیاہ پر' نام و نمود پر' آرام و آسایش پر'
کھلے دل' کھلے ہاتھ اور کھلی جیب سے خرچ کرتے ہیں

کبھی سوچا؟
اللہ کی راہ میں خرچ کرتے وقت ہاتھ تنگ کیوں ہو جاتا ہے!
ضرور ہم روز حساب اپنی پیشی بھول جاتے ہیں۔

سارے عیش آخری آنے والی سانس تک ہیں
پھر تو آخرت کے عیش کے علاوہ کوئی عیش نہیں۔

اس عیش کی سب سے آسان ضمانت'

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور خوب خوب خرچ کرنا ہے۔
۱۵' ۲۰ فی صد کے منافع کے لیے' ہمارے پاس مال ہی مال ہے
اور ۷۰۰ گنا کے لیے؟ (ہمارے ایمان کو کیا ہو گیا ہے!)

رمضان کا مہینہ' خصوصی سرمایہ کاری کا مہینہ ہے'
اسے غفلت میں' آخری عشرے' آخری دن کے انتظار میں نہ گزار دیں۔
جتنا ممکن ہو سکے' انفاق فی سبیل اللہ کی مد میں جلد جمع کروا دیں'
اور روز حشر مصیبت کے وقت وصول کر لیں۔
اور دنیا میں بھی خیر و برکت کا مشاہدہ کریں۔

(خیر خواہ)

قرآن کا پیغام

خرم مرادؒ

ساری عظمت اور بزرگی صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے کلام کے لیے ہے۔ قرآن مجید اللہ کی سب سے بڑی رحمت ہے' جو اس نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی۔ ہم مسلمان بڑے خوش نصیب ہیں' کہ اللہ نے یہ نعمت ہمارے سپرد فرمائی ہے۔ اس نعمت کی متبادل' دنیا کی کوئی اور نعمت نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ اس بارے میں خود فرماتا ہے: اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے۔ یہ وہ نصیحت ہے جو ان سارے امراض کے لیے شفا ہے' جو تمھارے سینوں اور دلوں میں پائے جاتے ہیں۔ جو اس کتاب کو مان لیں' یہ انھیں راستہ بتاتی ہے اور ان پر رحمت کی راہیں کھولتی ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا - هُوَخَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (یونس ۱۰:۵۸)

"یہ صرف اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ یہ نعمت تمھیں نصیب ہوئی۔ پس یہ وہ چیز ہے جس پر لوگوں کو چاہیے کہ خوشیاں منائیں۔ جتنی بھی چیزیں دنیا میں لوگ سمیٹتے ہیں' قرآن کی نعمت' ان سب سے زیادہ بہتر اور قیمتی ہے"۔ قرآن مجید سے زیادہ بڑی کوئی نعمت ایسی نہیں ہے' جو خوشی' مسرت اور جشن کی مستحق ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری خوشی کے سب سے بڑے دن کو قرآن مجید کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔ رمضان المبارک کا پورا مہینہ قرآن مجید کی نعمت سے منسوب کر دیا ہے۔ روزے رکھے جاتے ہیں اور راتوں کو قیام ہوتا ہے۔ مسجد مسجد قرآن مجید کی تلاوت سے معمور' ایمان پرور محفلیں آراستہ ہوتی ہیں اور جب رمضان کا مہینہ ختم ہوتا ہے' تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق: فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا' اگر جشن مناتا ہے اور خوشیاں مناتا ہیں' تو وہ بھی ایک نعمت ہے' جس پر کہ شکر ادا کرنا چاہیے۔ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (البقرہ ۲:۱۸۵)' "تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کرو اور اللہ نے جو ہدایت (رمضان المبارک کے مہینے میں) تمھیں دی ہے' اس پر اس کی کبریائی بیان کرو اور اس کا شکر کرو"۔

اسی لیے جب رمضان کا مہینہ ختم ہوتا ہے' تو مسلمانوں کی زبانوں پر' اَللّٰهُ اَكْبَرُ' اَللّٰهُ اَكْبَرُ' لَآ اِلٰهَ اِلَّا

اللہ، واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد کا ایمان پرور نغمہ جاری ہو جاتا ہے۔ یہ تکبیر کس بات کی تکبیر ہے؟ یہ اللہ کی کبریائی کا بیان کس لیے ہو رہا ہے؟ یہ حمد اور شکر کا ترانہ کس چیز کے لیے گایا جا رہا ہے؟ یہ قرآن مجید کے لیے ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر دوسری عید کس لیے ہوئی؟ دوسری عید بھی دراصل قرآن مجید کے لیے ہی ہے۔ رمضان کا سوچتے ہی ذہن میں روزوں کا تصور آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رمضان کی ساری عظمت قرآن مجید ہی کی وجہ سے ہے۔ عید بھی اسی لیے ہے کہ قرآن مجید کا جشن منایا جائے۔ یہ نزول قرآن کی سالگرہ ہے، جو سارا عالم اسلام مناتا ہے۔ دوسری عید کے بارے میں صحیح بخاری کی روایت ہے: "ایک یہودی نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ تمھاری کتاب میں ایک آیت ایسی ہے، کہ اگر یہ ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو اپنا یوم عید بنا لیتے۔ پوچھا وہ آیت کون سی ہے؟ کہا کہ وہ آیت ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ ۵:۳)، "آج میں نے تمھارے دین کو تمھارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمھارے لیے اسلام کو تمھارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے"۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ یہ آیت کب نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی اور نبی کریمؐ اس وقت کہاں موجود تھے؟ یہ عرفہ کا دن تھا، عرفات کا میدان تھا، حج کا دن تھا اور عید قربان سے ایک دن پہلے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا"۔

اگر غور کیا جائے تو پہلی عید نزول قرآن کے آغاز کی سالگرہ ہے اور دوسری، اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے مکمل ہو جانے کی خوشی کے اظہار کا دن ہے۔

قومیں اپنے تہوار ان چیزوں کا شکر ادا کرنے کے لیے مناتی ہیں، جن کے ساتھ ان کی اجتماعی زندگی کا پورا وجود اور تشخص وابستہ ہوتا ہے۔ عیسائی سمجھتے ہیں کہ ان کی ملت کا وجود حضرت عیسیٰؑ کے دم سے قائم ہے۔ اپنے عقیدے کے مطابق، وہ ان کی پیدائش کے دن، ان کے مصلوب ہونے کے دن اور ان کے دوبارہ جی اٹھنے کے دن کو، عید کے طور پر مناتے ہیں۔ یہودی سمجھتے ہیں کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون کے جبر و تسلط سے آزادی دلا کر دریائے نیل پار کرایا، وہ دن ان کے لیے عید کا دن ہے۔۔۔ لیکن مسلمانوں کے نزدیک اگر کوئی شخص ایسا تھا، جس کی زندگی عید کی مستحق ہو سکتی تھی تو اس ہستی سے بڑھ کر کون سی ہستی تھی کہ جو اللہ کا آخری نبیؐ ہے، جو رحمت للعالمینؐ ہے، جو خدا کا حبیب اور بندوں کا محبوب ہے۔ لیکن اللہ نے اپنی کتاب کے نزول کے دن ہی کو خوشی اور جشن کا دن قرار دیا۔

کچھ قومیں عید اس وقت مناتی ہیں، جب موسم سرما کی طویل تاریک راتیں گزرنے لگتی ہیں، اور بہار کے خوشگوار دن آنے لگتے ہیں۔ کونپلیں پھوٹتی ہیں اور سبزہ نکلتا ہے۔ کہیں "نوروز" اور کہیں "بسنت" کا

تہوار منایا جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اس گھڑی کو یوم جشن قرار دیا، جب تاریکی، جہالت اور جھوٹے خداؤں کی غلامی کی تاریک رات چھٹ گئی اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور توحید کا نور انسانوں کے سامنے طلوع ہوا۔ ان غلامیوں کی زنجیریں توڑ کر جب ایک اللہ کی اطاعت کا شعور بیدار ہوا تو انسان نے عدل، احترام، مساوات، امن اور آزادی کے نئے موسم بہار کی دنیا میں قدم رکھا۔

یہ چیز اس بات کو ظاہر کرنے کے لیے بالکل کافی ہے، کہ اس امت کو بنانے والے خالق کے نزدیک، اس امت کی پوری زندگی جس چیز سے وابستہ ہے، وہ اللہ کی کتاب ہے۔ اس امت کا تشخص، اس کا وجود، اس کی زندگی، اس کا عروج و زوال، اس کی بلندی اور پستی، اس کی خوشحالی اور پسماندگی، یہ سب کا سب اسی کتاب کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ کوئی شاعری نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی چودہ سو سال کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے۔ یہی حقیقت ان کی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔

مسلمانوں نے جب بھی اس کتاب سے رشتہ جوڑا، وہ دنیا میں معزز، سربلند اور خوشحال ہوئے۔ اور جب انھوں نے اس کتاب سے رشتہ توڑا تو وہ دنیا میں ذلیل، پسماندہ اور غریب ہوئے۔ دور اول کو لیجیے یا اس کے بعد آنے والے ادوار کو دیکھیے، تاریخ اپنے آپ کو اسی طرح دہراتی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ دنیا کی حکومت عربوں کے ہاتھ میں آئے یا ترکوں کے ہاتھ میں چلی جائے، اقتدار عباسیوں کے ہاتھ میں آئے یا عثمانیوں کے پاس رہے، سلجوق تخت پر بیٹھیں یا مغل حکومت کریں، حق تعالیٰ کی سنت میں اسے کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ اس لیے کہ جب قرآن مجید نازل ہوا، اقتدار اور حکومت کے آنے جانے کا یہ عمل تو اس وقت بھی برابر جاری تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے سائے میں کوئی امت مبعوث کی تو اس لیے کہ وہ اس خالق و مالک کے پیغام کی علم بردار اور ہدایت کی حامل بنے۔ اس کی امانت دار بنے اور اس کا بوجھ اٹھائے۔ خود اس پر عمل کرے اور دنیا کے سامنے گواہ بن کر کھڑی ہو۔

اس امت کی زندگی میں مرکزی حیثیت اس دن کو حاصل ہوئی جس دن غار حرا میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کے سپرد اس کتاب کا پہلا پیغام کیا۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً یہ پیغام نازل ہوتا رہا۔۔۔ وہ پیغام جو صرف ایک شخص کی زبان سے جاری ہوا تھا اور جس پر لبیک کہنے والے مٹھی بھر لوگ تھے، جو غلام، کمزور اور غریب تھے، جو عرب کے بڑے بڑے سردار یا بہت پڑھے لکھے لوگ بھی نہیں تھے، جن کے پاس نہ دولت کے ڈھیر جمع تھے اور نہ سرداری کی کلاہیں ان کے سروں پر سجی ہوئی تھیں۔ اس پیغام کی پہلی پکار پر بس یہی مٹھی بھر لوگ جمع ہوئے تھے۔ تب کون کہہ سکتا تھا کہ غار حرا میں سنی جانے والی یہ آواز، چند ہی برسوں میں دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گونجے گی۔ اس پیغام کو خلوص نیت اور خلوص عمل سے ماننے والے افراد، دنیا کے امام اور لیڈر بن جائیں گے۔

مکی زندگی کے ابتدائی دنوں کا واقعہ ہے: خباب بن ارتؓ ایک بے کس غلام تھے۔ وہ ایمان لائے تو ان کا آقا ایمان لانے کے جرم میں انھیں باندھ کر آگ کے انگاروں پر لٹاتا تھا اور پیٹھ کی چربی کے پگھلنے سے دہکتے انگارے بجھ جایا کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس حالت میں' میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اور میں نے کہا: "یارسول اللہ! مظالم کی حد ہو گئی۔ آپؐ ہمارے لیے دعا کیجیے"۔ نبی کریمؐ چادر اوڑھے خانہ کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ یہ بات سن کر ان کا چہرہ اس طرح سرخ ہو گیا جیسے کسی نے انار کے دانے آپؐ کے چہرے پر نچوڑ دیے ہوں۔ آپؐ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: "اے خبابؓ! تم سے پہلے جن لوگوں کو یہ امانت دی گئی تھی' ان کو ہر طریقے سے ستایا گیا' یہاں تک کہ لوہے کی کنگھیوں سے ان کی ہڈیوں سے گوشت تک نوچ لیا گیا' ان کو آگ کے گڑھوں میں پھینکا گیا' آرے لا کر انھیں دو ٹکڑے کر دیا گیا' لیکن وہ لوگ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے۔ اللہ کی قسم! میرا کام مکمل ہو کر رہے گا۔ یہاں تک کہ ایک عورت عرب کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جائے گی' اور کوئی اس کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے والا نہیں ہو گا"۔

حاتم طائی' عرب کے مشہور قبیلہ طے کے سردار اور اپنی فیاضی میں مشہور تھے۔ مذہبی اعتبار سے وہ عیسائی تھے۔ ان کے بیٹے عدی بن حاتم تھے۔ وہ کہتے ہیں: "مجھے سب سے زیادہ اگر کوئی چیز ناپسند تھی تو وہ محمد رسولؐ اللہ کی ذات اور آپؐ کی دعوت تھی۔ جب آپؐ نے میرے قبیلے پر بھی تسلط حاصل کر لیا تو میں بھاگ کھڑا ہوا۔ پھر میں نے سوچا کہ مجھے جا کر بات تو سنی چاہیے۔ اگر یہ بات اچھی ہوئی تو میرے فائدے کی ہو گی اور اگر غلط ہوئی تو مجھے کیا نقصان ہو گا؟ چنانچہ میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں جب مدینہ میں داخل ہوا تو لوگ پکار اٹھے کہ عدی بن حاتم آگئے' عدی بن حاتم آگئے! لوگوں کو بڑی خوشی ہوئی' مگر تعجب بھی ہوا کہ یہ کیسے آگئے؟" فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے میرا ہاتھ پکڑا' اپنے ہاں لے گئے۔ مجھے گدیلے پر بٹھایا' خود میرے ساتھ بیٹھے اور فرمایا: "عدی! اسلام لاؤ اور مجھے معلوم ہے کہ تم اسلام کیوں نہیں لاتے؟ تم سوچتے ہو کہ یہ مٹھی بھر لوگ جن پر ہر طرف سے دشمن یلغار کیے ہوئے ہیں اور جن کو ہر طرف سے خوف اور جنگ کا خطرہ درپیش ہے' یہ تھوڑے سے لوگ جو مدینہ کے اندر محصور ہیں' یہ دنیا میں کیا کر سکیں گے؟ لیکن عدی! میں تم کو بتاتا ہوں کہ صنعا (عرب کے ایک سرے پر واقع تھا' وہاں) سے ایک عورت مکہ تک جائے گی اور بالکل محفوظ ہو گی۔ قیصر و کسریٰ کی بڑی بڑی سلطنتوں کے خزانے تم نے دیکھے ہیں' یہ سب میری امت کے ہوں گے۔ اور میں تم کو بتاؤں ایک وقت آئے گا کہ ایک آدمی ہاتھ میں سونا لے کر نکلے گا اور کوئی اس کو لینے والا نہیں ہو گا"۔ عدیؓ کہتے ہیں کہ میں نے یہ تینوں پیش گوئیاں اپنی آنکھوں سے پوری ہوتی دیکھیں۔

جب مٹھی بھر مسلمان مکہ میں تھے اور وہ مارے پیٹے جاتے تھے' ریت پر لٹائے جاتے تھے' انھیں پتھروں سے مارا جاتا تھا' اس وقت جو کلمہ حضورؐ کی زبان پر تھا وہ یہ تھا کہ لوگو! لا الہ الا اللہ کہو تو عرب و عجم تمھارے قدموں پر ہوں گے۔ سفر ہجرت کے موقع پر جب آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تھے' سراقہ آپؐ کے قریب پہنچا تو آپؐ نے فرمایا: "سراقہ! ایک دن آئے گا' کسریٰ کے کنگن تمھارے ہاتھوں میں ہوں گے"۔ اگر تاریخ کے عام مادی پیمانوں سے ناپا جائے تو یہ جنون کی بات تھی کہ مکہ میں بیٹھ کر مٹھی بھر آدمی اس بات کا دعویٰ کریں کہ قیصرو کسریٰ کی حکومتیں ان کے پاؤں تلے ہوں گی! یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے یہاں بیٹھ کر کوئی آج یہ دعویٰ کرے کہ بہت جلد وہ دن آنے والا ہے جب امریکہ' روس اور برطانیہ سب ہمارے قدموں کے نیچے ہوں گے۔ یہ سن کر لوگ کہیں گے کہ یہ پاگل اور مجنون آدمی ہے جو ایسی بات کہہ رہا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو اس بات کا یقین تھا کہ نبی کریمؐ کی کوئی بات غلط نہیں ہو سکتی اور قرآن مجید نے جس بات کا وعدہ کیا ہے' وہ پورا ہو کر رہے گا۔ اس پیغام نے ان لوگوں کو اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ یہ گھڑی تو بہرحال آنے والی ہے۔

قرآن عظیم سے اس تعلق اور وابستگی کے نتیجے میں امت مسلمہ کو جو روحانی ترقی اور اخلاقی بلندی نصیب ہوئی اور ان کے حصے میں سیرت و کردار کی جو پختگی آئی' وہ نعمت قیصرو کسریٰ تو کیا' دنیا بھر کی حکومتوں سے زیادہ بیش قیمت تھی۔ اور بالآخر قیصرو کسریٰ کی حکومتیں بھی ان کے قدموں کے نیچے آگئیں۔ یہ سب اس قرآن مجید سے تعلق کا فیضان تھا جو دنیا کی ہر نعمت سے بہتر ہے۔

غور کیجیے' انسان دولت سمیٹے' مکانات تعمیر کرے' محلات بنائے' انڈسٹری لگائے یا اس کے پاس ہزاروں ایکڑ پر مشتمل جاگیریں ہوں مگر یہ سب چیزیں نہ اسے سکون کی دولت دے سکتی ہیں اور نہ آخرت میں کامیابی کی ضمانت فراہم کر سکتی ہیں۔ ہاں' سب سے بہتر اگر کوئی چیز اس نعمت کی ضامن ہے تو وہ صرف قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کے ذریعے جو نعمتیں آدمی کے حصے میں آنے والی ہیں' وہ کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ انھیں کوئی زوال نہیں ہے' انھیں کوئی فنا نہیں ہے اور وہ کبھی چھننے والی نہیں ہیں۔

دنیا بھر کے کارخانے' دولت کے ڈھیر' عالی شان محلات' سرسبز باغات' لمبے چوڑے کھیت' ان کا تعلق تو انسان سے بس اتنا ہی ہے کہ سانس اندر جاتی ہے اور باہر آتی ہے اور جس دن یہ اندر اور باہر جانا بند کر دے تو یہ سب ہاتھ سے گیا۔ سوال یہ ہے کہ کون سی چیز ہمیشہ ٹھیر سکتی ہے۔ اگر دس کروڑ روپے کا بنک بیلنس بھی کسی کے پاس ہو مگر اس کے جسم میں جان نہیں تو ظاہر ہے کہ اس کے ہاتھ ایک چیک پر دستخط نہیں کر سکتے۔ اگر مکان میں سو کمرے بھی ہوں تو وہ بستر پر دوبارہ نہیں لیٹ سکے گا۔ اور اگر الماری میں پچاس لباس بھی لٹکے ہوئے ہوں مگر اس لمحے تو صرف دو سفید چادریں ہی اس کا مقدر ہوں گی۔ جو آدمی مال و اسباب

سمیٹتا ہے، وہ اس بات کو نظرانداز کر دیتا ہے کہ یہ سب عارضی، فنا ہونے والا اور ختم ہونے والا ہے۔ اس کے برعکس قرآن مجید جو راستہ کھولتا ہے، وہ تو ابدی نعمتوں کا راستہ ہے، جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں۔ جس میں انسان کے لیے کوئی موت نہیں ہے۔ اس کے پھل، درخت اور سائے ہمیشہ کے لیے ہیں۔ اس کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔ جو لوگ اس میں جائیں گے وہ ہمیشہ اس کے اندر رہیں گے (هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ)۔

قرآن نے دور اول کے انسانوں کو اس طرح بدل دیا کہ آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مگر جب آپ اس کا سوچیں کہ اس نے کیسے بدل دیا تو پھر اپنے بارے میں سوچنا ہو گا کہ ہم کیوں نہیں بدلتے؟

رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہوتا ہے، اور ختم ہو جاتا ہے۔ جیسے انسان ہم پہلی رمضان کو تھے، ویسے ہی انسان ہم ۳۰ ویں تاریخ کو بھی ہوتے ہیں۔ ہم مہینہ بھر کھڑے ہو کر قرآن مجید سنتے ہیں اور جیسے انسان ہم اس کو سننے سے پہلے تھے، ویسے ہی ہم اس کو سننے کے بعد بھی رہتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید کو جو پہلے سننے والے تھے، ان کی کیفیت کے بارے میں تو قرآن کہتا ہے:

الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ (الحج ۲۲:۳۵)

"جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں"۔

تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ (المائدہ ۵:۸۳)

"تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں، اس لیے کہ وہ حق کو پہچان جاتے ہیں"۔

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۔ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ (الزمر ۳۹:۲۳)

"اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزا ہم رنگ ہیں اور جس میں بار بار مضامین دہرائے گئے ہیں۔ اسے سن کر ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں، اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں"۔

گویا کہ جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کھال سخت پڑ جاتی ہے، دل نرم پڑ جاتے ہیں۔ یہ اثر ان کے جسم پر پڑتا ہے، جو اسے سوچ سمجھ کر، وابستگی اور وارفتگی سے پڑھتے ہیں۔ قرآن ہمارے ہاں اس معاشرے میں آج بھی پڑھا جاتا ہے۔ ہم اس کی ورق گردانی کرتے ہیں۔ جلدی جلدی ختم قرآن کی محفلیں بھی منعقد ہوتی رہتی ہیں۔ مگر کیا، کسی کا دل نرم پڑتا ہے؟ کسی کی آنکھوں میں نمی آتی ہے؟ کسی کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں؟ کسی کو یہ احساس ہوتا ہے کہ جو کلام پڑھا جا رہا ہے، وہ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا کلام

ہے؟ نہیں، ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ جلدی سے جلدی یہ پارہ، یہ منزل اور قرآن ختم ہو۔ اگر تراویح دو منٹ لمبی ہو جائے، تو ہم امام سے کہتے ہیں کہ "ذرا مختصر کرو، جلدی کرو"۔ اگر کسی فرد کو وزیراعظم، وزیر اعلیٰ، گورنر، یا ڈپٹی کمشنر اپنی مجلس میں بلائے تو کیا وہ اتنی ہی بے دلی کے ساتھ ایسے ہی جائے گا؟ اتنی ہی جلدی سے بھاگ آنے کی فکر کرے گا؟ نہیں، بلکہ وہ تو گھنٹوں پہلے جائے گا۔ لباس کو ٹھیک کرے گا۔ کبھی واسکٹ دیکھے گا، کبھی شیروانی کی کریز دیکھے گا، کبھی ٹائی کی ناٹ دیکھے گا کہ ٹھیک سے بندھی ہے یا بیٹھی ہوئی ہے۔ پہلے سے پہنچ کر انتظار کرے گا۔ اس کے ذاتی معاون سے بار بار پوچھے گا، کب وقت آئے گا اور کب وہ اندر جائے گا۔ یہ تو حال ہے ان کے ساتھ، جو انسان کو کچھ نہیں دے سکتے۔ ان کے ہاتھ میں نفع نقصان پہنچانے کا ذرہ برابر بھی اختیار نہیں۔ لیکن وہ کہ جس کے ہاتھ میں کائنات کا سارا اختیار ہے، ساری قوت اور ساری طاقت ہے، اس سے ہماری بے نیازی کا یہ انداز ہے، اس کے کلام سے ہماری بے رخی کا یہ عالم ہے، کہ نہ ہم اس کو سننا چاہتے ہیں اور نہ پڑھنا چاہتے ہیں۔ نہ ہم اس کو سمجھنا چاہتے ہیں اور نہ اس پر غوروفکر کرنا چاہتے ہیں۔

اس کے پہلے سننے والوں کی جو کیفیت قرآن مجید نے بیان کی ہے، وہ ہم سب کے سامنے ہے۔ قرآن مجید کا جو حصہ نازل ہوتا، اور ان کی محفلوں میں سنایا جاتا، وہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے عمل کرنے کے لیے آرہا ہے۔ یہ محض سننے یا سردھننے کے لیے نہیں آرہا۔ اس لیے وہ اس کے رنگ میں رنگ جاتے، اس کی چلتی پھرتی تصویر بن جاتے اور ان کی زندگی اس کی تفسیر ہو جاتی تھی۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں: "ہم نے **سورۃ البقرہ** دس سال میں ختم کی"۔ لوگ اب یہ چاہتے ہیں کہ شبینہ کی ایک مجلس میں پورا قرآن مجید سن کر ختم کر دیں۔ بعض صحابہؓ کہتے ہیں: "ہم آٹھ آیتیں سیکھتے تھے، ان کو اچھی طرح سمجھتے تھے، ان کے اوپر عمل کرتے تھے، ان کو محفوظ کرتے تھے۔ اس کے بعد ہم اگلی آٹھ آیتیں سیکھتے تھے، اور اس طریقے سے ہی ہم نے پوری **سورۃ البقرہ** ختم کی"۔ اس طرح سے جب انھوں نے قرآن کریم کو جذب کر لیا اور محمد رسول اللہؐ کی صحبت میں بیٹھ کر ان کی شخصیتیں بدل گئیں تو دنیا نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کن کن انعامات سے نوازا۔ آخرت میں اللہ نے ان سے جن انعامات کا وعدہ فرمایا تھا، سردست اس کا ذکر چھوڑ دیجیے۔ اس نے تو دنیا کے مسائل کے بارے میں بھی یہی کہا ہے کہ **وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ** (الاعراف ۷:۹۶) "اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے"۔ گویا افلاس، غربت اور پسماندگی کے خاتمے کا نسخہ تو یہی قرآن مجید ہے۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا سب سے عظیم اور بے مثل تحفہ ہے، جو اس نے انسانوں کو عطا فرمایا۔

قرآن کریم کا پہلا حق یہ ہے کہ ہم خود اس کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ ہم پر اس کا دوسرا حق یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اسے بیان کریں اور پیش کریں۔ جب روشنی آتی ہے تو اس لیے نہیں آتی کہ اس کے اوپر آدمی پردہ اور کمبل ڈال دے۔ روشنی آتی ہی اس لیے ہے کہ وہ اپنے ماحول کو روشن کر دے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اس لیے آئی ہے کہ انسانوں کو صحیح راستہ بتائے۔ اس لیے نہیں آئی کہ وہ لپیٹ کر جزدان میں رکھ دی جائے یا ڈرائنگ روم کی شیلف میں سجا دی جائے' یا گاہے گاہے اس کی تلاوت کر لی جائے۔

یہ بات تو اللہ تعالیٰ نے وہیں فرما دی جہاں اس نے رمضان کا ذکر کیا اور روزے فرض کیے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ (البقرہ ۲:۱۸۵)' "رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں"۔ گویا کہ اللہ فرماتا ہے کہ یہ تو ہم نے تمھارے ہاتھ میں لوگوں کے لیے چراغ تھمایا ہے۔ یہ صرف تمھارے لیے نہیں ہے۔ یہ امت اس لیے نہیں بنائی ہے کہ صرف اپنے لیے جیے۔ یہ امت تو اس لیے بنی ہے کہ سارے انسانوں کے لیے جیے۔ یہ امت نزول قرآن مجید کے ساتھ سارے انسانوں کے لیے کھڑی کی گئی ہے۔ اس لیے کہ اس کے پاس تو وہ ہدایت ہے جو سارے انسانوں کے لیے چراغ ہدایت ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَیَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ (البقرہ ۲:۱۵۹)' "جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں' در آں حالیکہ ہم انھیں سب انسانوں کی رہنمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں' یقین جانو کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں"۔

یہ کتاب ہدایت ساری انسانیت کے لیے ہے' مگر جو اسے چھپا کر رکھتے ہیں ان کے اوپر اللہ تعالیٰ خود بھی لعنت بھیجتا ہے اور سارے انسان بھی لعنت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس لیے لعنت فرماتا ہے کہ میں نے اتنی بڑی نعمت ان کے ہاتھوں میں دی ہے' مگر یہ اس سے غافل سو رہے ہیں۔ انسان اس لیے لعنت کرتے ہیں کہ ہم گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتے پھر رہے ہیں' بے شمار روگ اور امراض ہم کو لگے ہوئے ہیں' ان لوگوں کے پاس نسخہ موجود ہے' جس سے ہمارا علاج ہو سکتا ہے' وہ روشنی موجود ہے جس سے ہماری زندگی کی راہیں روشن ہو سکتی ہیں' لیکن یہ عجیب لوگ ہیں کہ یہ نسخہ بھی اپنی جیب میں رکھے بیٹھے ہیں اور چراغ کے اوپر بھی انھوں نے کمبل ڈال رکھا ہے۔ وہ لعنت نہ کریں تو کیا کریں۔ پھر فرماتا ہے:

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (البقرہ ۲:۱۶۰-۱۶۱)

"البتہ جو اس روش سے باز آجائیں اور اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کرلیں اور جو کچھ چھپاتے تھے' اسے بیان کرنے لگیں' ان کو میں معاف کر دوں گا اور میں بڑا درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔ جن لوگوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا (قرآن کی ناشکری کی) اور کفر کی حالت ہی میں جان دی' ان پر اللہ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا انداز بیان دیکھیے' اس کی شدت دیکھیے' اس میں ناراضی اور غضب کی جھلک دیکھیے: ان پر اللہ کی لعنت' جس نے کتاب دی۔ ان پر فرشتوں کی لعنت جنھوں نے کتاب پہنچائی' اور انسانوں کی جانب سے بھی لعنت کہ جن کے لیے کتاب لائی گئی تھی۔

یہ کتاب جہاں نعمت ہے وہاں ایک امانت بھی ہے۔ یہ نعمت اور امانت اللہ تعالیٰ نے ہمارے سپرد فرمائی ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا ہم اس نعمت اور امانت کا حق ادا کر رہے ہیں؟

اس کتاب نے ہم سے پہلے آنے والوں کی زندگیاں بدل دیں۔ ذرا سوچیں کہ کس طرح بدل دیں؟ سوال یہ ہے کہ آج ہمیں اس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے؟

جب یہ کتاب نازل ہوئی' تو کتاب کے سننے والوں کو اس میں بیان کردہ ہر بات پر مکمل یقین تھا' وہ انھیں محض زبان سے کہے ہوئے الفاظ نہیں سمجھتے تھے' بلکہ وہ اپنے شعور کی اعلیٰ ترین سطح پر اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ اس کا ایک ایک لفظ اللہ کی طرف سے ہے۔ جس طرح اگر آج اخبار میں کوئی بڑا اہم اعلان آجائے کہ جس کا روز مرہ زندگی پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہو تو ہر آدمی اس خبر کا پوچھے گا۔ کوئی نیا قانون آجائے تو آپ یہ جاننے کے لیے بے چین اور مضطرب ہو جائیں گے کہ حکومت کی طرف سے کیا نیا قانون آگیا ہے؟ مگر میرے عزیزو! ان لوگوں کے لیے تو حکومت ایک ہی تھی' لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ' آسمان و زمین کی حکومت اسی خالق و مالک کے لیے ہے اور کسی کے لیے نہیں ہے۔ اس کی طرف سے جو اعلان آتا تھا' وہ ان کے سر آنکھوں پر ہوتا تھا۔ اگر یہ کہا جاتا کہ "ایک حبہ بھی اللہ کی راہ میں دو گے تو جان لو سات سو گنا یقینی ہے' اس سے زیادہ ہم دیں گے"' ان کو اس بات پر یقین ہوتا تھا۔ اللہ کی راہ میں مقدور بھر دینے کے بعد ان کی جیب بند نہیں رہتی تھی۔ لوگ اپنے ہزاروں لاکر لٹا دیا کرتے تھے۔ اپنے قیمتی باغ اللہ کی راہ میں دے دیا کرتے تھے۔ مزدوری کرتے تھے اور پیسے لا کر آنحضورؐ کے قدموں پر رکھ دیتے تھے۔ اگر ان کو اس بات کی خوشخبری دی جاتی کہ اللہ کی راہ میں گردن کٹا دو گے تو سیدھے جنت میں جاؤ گے تو لوگ اپنے ہاتھوں سے کھجور پھینک دیتے تھے کہ اب ان کھجوروں کے ختم ہونے کا انتظار بھی کیوں کریں۔ غزوہ بدر کا واقعہ ہے' آنحضورؐ نے کھڑے ہو کر فرمایا: وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ' (آل عمران ۳:۱۳۳)' "دوڑو' مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت میں آسمان و زمین سما

جائیں گے"۔ ایک نوجوان لڑکا وہاں کھڑا تھا۔ اس نے پوچھا: "حضورؐ کیا میں بھی جنت میں جا سکتا ہوں؟؟" آپؐ نے فرمایا: "کیوں نہیں؟"--- راستہ آج بھی کھلا ہوا ہے۔ آج ہمارے لیے کوئی جنت کے ہزار راستے کھول دے' لیکن ہمارے قدم اس راہ کی طرف نہیں اٹھتے۔ لیکن وہاں پر تو ایمان و یقین تھا۔ ان صحابی کے ہاتھ میں کھجوریں تھیں۔ کہنے لگے: "اتنی دیر کون انتظار کرے کہ کھجوریں ختم ہوں"۔ سبحان اللہ ' اتنا یقین تھا انھیں اپنے رب کے وعدے پر! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے اور قرآن کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے انھوں نے کھجوریں ہاتھ سے پھینک دیں' تلوار نکالی' لڑے اور شہید ہو گئے۔ یہ عمیر بن حمامؓ تھے۔

آج کتنے لوگ ہیں کہ ہاتھ اور دامن کھجوروں سے بھرے ہوئے ہیں' مگر انتظار کر رہے ہیں کہ ذرا یہ کام ہو جائے' ذرا وہ کام ہو جائے' پھر ہم نیک بن جائیں گے۔ ذرا یہ بیوی بچوں کا مسئلہ سلجھ جائے تو پھر ہم اللہ کے دین کا کام کریں گے۔ جس طرح دکھائی دینے والی کل کبھی نہیں آتی' اسی طرح نیکی کا راستہ ٹالنے پر کبھی صراط مستقیم نہیں ملا کرتا' اور پنڈلی سے پنڈلی لگ جاتی ہے' اور قبر کا دامن اس فرد کو دبوچ لیتا ہے۔

ان کھجوروں کو ہاتھوں میں لیے ہم انتظار کرتے ہیں اور برسوں انتظار کرتے ہیں۔ جنت کا راستہ ہمارے سامنے کھلا رہتا ہے' لیکن ہم اس پر نہیں چلتے۔ اس کے مقابلے میں قرآن مجید نے ان کے دلوں میں اس ایمان کو اتار دیا۔ اسی لیے آیات سن کر ان کے دل کانپ اٹھتے تھے' لرز اٹھتے تھے' کپکپا جاتے تھے اور آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے تھے۔ یہ چیز ایک زندہ حقیقت کے طور پر ان کی زندگی میں تھی۔ ان کے لیے قرآن مجید کوئی آباؤ اجداد کی کتاب نہیں تھی۔ یہ کوئی ورثہ نہیں تھا جو ماں باپ کی طرف سے منتقل ہوا ہو۔ وہ تو اپنی آنکھوں سے اس کو اترتا دیکھ رہے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے' آسمانوں اور زمین کے رب کی طرف سے ہے اور ایک حقیقت کے طور پر اس کے ایک ایک لفظ پر انھیں یقین تھا۔

اللہ کے رسولؐ نے ان کا تعلق رب کے ساتھ جوڑا اور وہ اس کے بندے بن گئے۔ اسی کے ہو گئے' اسی کے ہو رہے اور اپنا سب کچھ اسی کے حوالے کر دیا۔ اللہ کے رسولؐ نے ان سے فرمایا: ایمان لانے کی نشانی یہ ہے کہ سب سے بڑھ کر محبت اللہ سے ہونی چاہیے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ ۲:۱۶۵)' "جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں"۔ اللہ سے محبت کرنا کوئی صرف اولیا اللہ کا مقام نہیں ہے۔ اللہ سے محبت رکھنا تو ہر مومن کا مقام اور اس کے ایمان کی نشانی ہے۔ ان صحابہؓ کو سب رشتوں اور تمام چیزوں سے بڑھ کر اللہ سے محبت ہو گئی تھی۔ اس محبت سے بڑھ کر نہ باپ تھا' نہ ماں تھی' نہ بیٹا تھا' نہ بچے تھے' نہ دولت تھی اور نہ جایداد تھی۔ یہ سب چیزیں موجود تو تھیں' اور ان سے تعلق بھی تھا' پھر وہ دنیا چھوڑ کر کسی گوشے میں جا کر نہیں بیٹھ گئے تھے۔ اس دنیا پر دو حرف بھیج کر کہیں جنگلوں میں نہیں نکل گئے تھے۔ لیکن اس دنیا اور اس معاشرے میں رہنے کے باوجود' انھیں سب سے بڑھ کر محبت

اللہ سے تھی۔ اس کی محبت میں وقت گزارنے کی خاطر وہ نماز کے لیے لپکتے ہوئے آتے تھے۔ اس کی محبت میں مال دنیا نچھاور کرتے تھے۔ جان دینے کا وقت آتا تو گردن کٹا دینے کے لیے اڈتے چلے آتے تھے۔ جب حکم آیا کہ شراب حرام ہے تو شراب کا جام اگر کسی کے منہ سے لگا ہوا تھا تو اس نے جام و سبو کو اسی لمحے توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا۔ یہ سب کچھ محبت کا نتیجہ تھا۔ محبت کیا چیز ہوتی ہے؟ اس کی کیفیت اور ماہیت کو کوئی بیان نہیں کر سکتا' لیکن ہر فرد کو کسی نہ کسی چیز سے محبت کا تجربہ ضرور ہوتا ہے۔ جب محبت ہوتی ہے تو پھر اس کے آگے کوئی چیز نہیں ٹھیرتی۔ اگر سب سے بڑھ کر محبت اللہ سے ہو جائے تو اس کے آگے کس کی محبت ٹھیرے گی! اللہ سے بڑھ کر محبت کسی اور چیز سے آخر ہو بھی کیسے سکتی ہے!

ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ وہ اپنی قوم سے گفتگو کر رہے تھے۔ ستارے دکھائی دیے تو کہا کہ یہ رب ہیں۔ لیکن ستارے ڈوب گئے۔ فرمایا: لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ' جو ڈوبنے والے ہیں ان کو میں محبوب نہیں رکھتا۔ پھر چاند نکلا تو کہا کہ یہ تو اس سے بھی بڑا ہے' یہ میرا محبوب ہے۔ لیکن چاند بھی ڈوب گیا۔ سورج نکلا تو کہا کہ یہ تو سب سے بڑا رب ہے۔ سورج بھی ڈوب گیا' فرمایا: اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الانعام ۶:۷۹)' "اب تو میں نے اپنا رخ بس اس کی طرف کر لیا جو آسمان اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔ اور میں ہر طرف سے کٹ گیا"۔ حنیف کے معنی ہر طرف سے کٹ کے بس ایک ہی کا ہو رہنے والے کے ہیں۔ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور اب میرا رخ جس کی طرف ہے اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔ زندگی میں نہ جانے کتنے ستارے' کتنے چاند اور کتنے سورج ہیں جن پر ہماری نگاہیں جمی ہوئی ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ شاید یہ ہمیشہ رہیں گے۔ اَلَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ (الھمزہ ۱۰۴:۲-۳) مال کو جمع کرتا ہے' گنتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ میرے بعد بھی رہے گا' ہمیشہ باقی رہے گا۔ لیکن چاند بھی ڈوب جائے گا' سورج بھی ڈوب جائے گا' اور ستارے بھی ڈوب جائیں گے۔ ان ڈوبنے والی چیزوں سے محبت کا کیا حاصل؟ انسان محبت کرے تو اس سے کرے جس کے بارے میں کہا گیا ہے: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (القصص ۲۸:۸۸)' "ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے"۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ - وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (الرحمٰن ۵۵:۲۶-۲۷)" ہر چیز فنا ہونے والی ہے' صرف ایک چیز ہے تمھارے رب کا' چہرہ اکرام و جلال والا جو باقی رہے گا"۔ وہ اس کا چہرہ ہے جو ہلاک نہیں ہو گا۔ پھر آدمی ان چیزوں سے کیوں محبت کرے جو آج ہیں اور کل نہیں رہیں گی۔ انسان محبت کرے تو اسی چیز سے کرے جو ہمیشہ رہنے والی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ جنت کے ایسے طلب گار تھے جیسے کہ جنت ان کی نگاہوں کے سامنے ہمیشہ ہو۔ ان کے لیے جنت اور دوزخ کوئی مولوی کا وعظ نہیں تھا۔ وہ تو جنت اور دوزخ کو دن رات اپنی مجلسوں

میں اس طرح سنتے اور دیکھتے تھے، گویا یہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہوں۔ ان کو اس بات پر یقین تھا، وہ سمجھتے تھے کہ ہم یہ کریں گے تو جنت میں جائیں گے اور وہ کریں گے تو دوزخ میں پہنچیں گے۔ حرام مال اگر پیٹ میں جائے گا، تو بظاہر بڑا لذیذ محسوس ہو گا لیکن یہ تو انگارہ ہے، جو ہم پیٹ میں بھر رہے ہیں۔ وعدہ خلافی میں بظاہر بہت نفع ہوتا دکھائی دے گا، لیکن یہ تو آگ ہے جو ہم اپنی زبان کے اوپر رکھ رہے ہیں۔ اسی طرح اگر اللہ کے بندوں کی خدمت کریں گے، اللہ کی اطاعت کریں گے تو جنت کے باغات ہیں، کیاریاں ہیں اور محلات ہیں، جو ہمارے حصے میں آئیں گے۔ قرآن مجید کے تو اکثر حصے جنت اور دوزخ کے احوال پر مبنی ہیں۔ جگہ جگہ جنت کی منظر کشی اس طرح سے کی گئی ہے کہ یہ محلات ہیں، یہ انواع و اقسام کے کھانے ہیں، یہ پرندوں کا گوشت ہے، یہ فواکہات ہیں، یہ ساتھی ہیں، یہ صحبتیں ہیں اور یہ مجلسیں ہیں--- یہ سب ان کے لیے حقیقت تھی اور وہ چشم تصور میں انھیں دیکھتے تھے۔ دوزخ کا ذکر ہوتا تھا کہ یہ آگ کے ہتھوڑے ہیں، یہ گرم پانی ہیں، یہ گرم کھانا ہے، یہ انگاروں کا بستر ہے--- اور یہ منظر بھی ان کے لیے مجسم حقیقت بن کر سامنے آتا تھا۔

کس نے ان کو وہ قوت بنا دیا کہ قیصر و کسریٰ بھی ان کے آگے زیر ہو گئے؟ ایک مستشرق کے الفاظ میں: "وہ مکہ کا یتیم بچہ جس کو پوچھنے والا کوئی نہیں تھا۔ اسی (۸۰) سال کے بعد اسپین سے لے کر چین تک، وادیوں میں، صحراؤں میں، جنگلوں میں، شہروں میں اس کا نام پکارا جانے لگا"۔ یہ کن لوگوں نے کیا؟ یہ ان لوگوں نے کیا، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر پورا پورا یقین اور ایمان تھا، جن کو اللہ کی کتاب پر ایمان کی دولت حاصل تھی۔ اس کتاب نے ان کو اس طرح بدل کر رکھ دیا کہ جب وہ بدل گئے تو ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سارے وعدے پورے ہو گئے۔

اسی طرح جب ہم نے اس کتاب کو پس پشت ڈال دیا تو اس کے سارے وعدے ہمارے ساتھ بھی پورے ہوئے۔ کبھی ہم پر منگول مسلط کیے گئے اور کبھی ہم پر یورپی مسلط کیے گئے۔ ہماری عزت، دولت، علمی نوادر اور مالی خزانے سب غیروں کے پاس چلے گئے۔ یہ سب کس لیے ہوا؟ اس لیے نہیں ہوا کہ ہم کمزور تھے یا ہمارے پاس اسلحہ کم تھا۔ عرب اسرائیل جنگ جو ۵ جون ۱۹۶۷ کو ہوئی، وہ صرف چار پانچ روز تک لڑی گئی، مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ عربوں کے پاس کئی گنا زیادہ فوج تھی۔ جنگی طیارے اور ٹینک اسرائیل سے کئی گنا بڑھ کر تھے۔ مگر ہوائی جہاز میدان میں کھڑے کھڑے تباہ ہو گئے۔ میزائل کی بیس (base) جنرل نے خود اسرائیل کے حوالے کر دی۔ کئی گنا زیادہ مسلمانوں کی تعداد مٹھی بھر یہودیوں سے شکست کھا گئی۔ اس زمانے میں یہ سوال اٹھایا گیا کہ "قرآن مجید میں تو لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر ہمیشہ کے لیے ذلت اور مسکنت مسلط کر دی ہے، مگر یہ یہودی کیسے فاتح ہو گئے؟" حقیقت یہ ہے کہ اللہ

تعلق کا رشتہ نہ بنی اسرائیل سے ہے اور نہ ہمارے ساتھ۔ اس کا رشتہ تو ایمان اور عمل صالح کے ساتھ ہے۔ جب اس نے یہودیوں کو معزول کر دیا اور امت مسلمہ کو اس مقام پر کھڑا کر دیا' تو مسلمان اللہ کی کتاب اور اس کی دعوت توحید کے علم بردار بن گئے۔ جب مسلمانوں نے اس سے بے پروائی برتی تو ذلت و مسکنت ان پر مسلط کر دی گئی۔ ان سے اسی طرح سے معاملہ ہوا جیسے عام طور پر ہمارے معاشرے میں کوئی ملازم کسی مالک سے بے وفائی کرے' تو محلے کے چمار کو کھڑا کر کے اس کو جوتے مارے جاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ نے یہودیوں کے ذریعے ہم کو جوتے لگوائے کہ دیکھو تمھارا کیا مقام تھا اور آج تم اتنے ذلیل ہو۔ امت مسلمہ کو اس ذلت و پستی کا سامنا کیوں ہے؟ اس لیے کہ قرآن مجید نے جو نعمت ہمارے حوالے کی ہے اور جو امانت ہمارے سپرد کی ہے' ہم اس کا حق ادا نہیں کر رہے۔ اس سے بے تعلقی اور بیگانگی کی روش اختیار کیے ہوئے ہیں۔

اللہ کی کتاب ہمارے پاس موجود ہے۔ ہماری عظمت و سربلندی کے سارے خزانے اسی میں پوشیدہ ہیں۔ کامیابی کی ساری کنجیاں اسی کے دامن میں ہیں' کامرانی کے سارے دروازے اسی کے اندر ہیں۔ کامرانی' نجات' سکون اور مغفرت کا اس کے باہر کوئی دروازہ نہیں ہے۔ ہم روز صبح اخبار پڑھتے ہیں اور قوم کی حالت زار پر روتے اور مرثیہ پڑھتے ہیں۔ لیکن میں آپ سے کہتا ہوں کہ صرف ایک ہی نسخہ ہے جو ہمارے ملی اور قومی امراض کا علاج ہے اور وہ ہے قرآن مجید!

ہمارے امراض کی جڑ کیا ہے؟ ہمارے امراض کی جڑ تو ہمارے دلوں میں ہے۔ قرآن مجید نے کہا ہے: فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ' مرض کی جڑ تو دلوں کے اندر ہوا کرتی ہے۔ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ (الحج ۲۲:۴۶)' "حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں"۔ بظاہر آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں بلکہ دل ہیں جو اندھے ہو جاتے ہیں۔ آج سیاست دان ہوں یا تاجر' بیورو کریٹس ہوں یا پھر بھائی بھائی کا خون بہانے والے' یہ سب خوب جانتے ہیں' کیا برا ہے اور کیا اچھا ہے۔ کسی کے علم میں کمی نہیں ہے۔ کسی کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں' سب کو دکھائی دے رہا ہے کہ یہ برے کام ہیں' لیکن اس کے باوجود وہ برے کام کرتے ہیں اور ڈنکے کی چوٹ پر کرتے ہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ دل اندھے ہو گئے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔ اور جب یہ کیفیت ہو جائے تو علاج پھر اسی کے پاس ہے جو شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ہے۔

نبی کریمؐ کی حدیث ہے کہ آدمی کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے' وہ سدھر جائے تو سارا جسم سدھر جاتا ہے' وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ' سن لو' جان لو کہ یہ دل ہے۔ تمھاری شخصیت کا مرکز ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں لالچ' حرص' محبت' نفرت' جذبات اور محرکات سب جمع ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ ایک چھوٹی سی چیز کے بننے بگڑنے سے زندگی کیسے بن بگڑ سکتی ہے؟ آج کل کینسر کا مرض بڑا عام

ہے۔ آدمی کے جسم کے اندر اربوں خلیے ہوتے ہیں۔ ان میں سے اگر صرف ایک خلیہ بگڑ جائے تو یہ موت کا وارنٹ ثابت ہوتا ہے۔ یہ کینسر کی علامت ہے۔ اس کے بعد کوئی مادی سہارا انسانی جان نہیں بچا سکتا۔ گویا بیماری کی جڑ صرف ایک خلیے سے شروع ہو سکتی ہے۔

درحقیقت دل سب سے اہم عضو ہے۔ اس میں اللہ کی محبت، رسولؐ کی محبت، قرآن کی محبت پیدا ہو سکتی ہے اور اس سے بے رخی خسران کا طوفان لا سکتی ہے۔ دل کی حالت کی بہتری کی صرف ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ ہم کچھ کرنے کا ارادہ کرلیں، جب ہم کچھ کرنے کا ارادہ کرلیں گے، تو ہماری حالت بھی سنبھلے گی اور قوم کی حالت بھی بہتر ہو گی۔ آج اگر اس بات کا ارادہ کرلیا جائے کہ ہمیں اللہ کی کتاب کو سمجھنا ہے کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے، تو یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی قبر کو اللہ تعالیٰ اپنے نور اور رحمت سے بھردے۔ انھوں نے اور ان کی اولاد نے جو خدمت دین کی ہے اس کی وجہ سے آج اردو زبان میں قرآن مجید کے بڑے مستند اور صحیح ترجمے موجود ہیں۔ آپ کوئی ترجمہ لے لیں اور یہ ارادہ کرلیں کہ چوبیس گھنٹے کا دن جسے آپ کاروبار، روزگار اور بیوی بچوں میں لگاتے ہیں، اس میں سے پانچ منٹ، روزانہ اس بات پر لگائیں گے کہ قرآن مجید کی صرف تین آیات ترجمے سے پڑھ لیں یا اگر پڑھنا نہ جانتے ہوں تو کسی سے سن لیں۔ اس طرح چار پانچ سال میں پورا قرآن مجید ختم ہو جائے گا۔ یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے، اگرچہ آج یہ کام بہت مشکل لگتا ہے کہ پورا قرآن پڑھا جائے۔ لیکن ارادے سے اور عزم سے، تہیہ کر کے روزانہ پانچ منٹ میں صرف تین آیات قرآنی اس طرح سے پڑھی جائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے بات چیت کر رہا ہے تو چند ہی روز میں اس کی لذت اور اس کا کیف آپ کو خود ابھارے گا کہ آپ اس کو ڈوب کر پڑھیں۔

امام غزالیؒ احیاء العلوم میں ایک بزرگ کا واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: پہلے میں قرآن مجید اس طرح پڑھتا تھا گویا، کہ میں خود پڑھ رہا ہوں۔ اس میں مجھے کچھ مزا نہ آتا تھا۔ پھر میں نے اس طرح پڑھنا شروع کیا کہ گویا نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رہا ہوں تو میرا لطف دوگنا ہو گیا۔ پھر میں نے اس طرح پڑھا کہ جبرائیل امین علیہ السلام خود مجھ سے مخاطب ہیں، اور یہ کلام سنا رہے ہیں، پھر تو کیا کہنے، اور آخر میں، میں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ خود مجھ سے کلام فرما رہا ہے۔ اس وقت مجھے قرآن مجید کا اصل مزا آیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب ہمارے لیے اتاری ہے۔ وہ ہم سے بار بار کہہ رہا ہے کہ میں نے تمھارے لیے یہ کتاب اتاری ہے۔ وہ ہم سے کلام کر رہا ہے۔ اگر ہم روزانہ اس کے کلام کے ساتھ صرف پانچ منٹ صرف کر دیں، اس کی محبت میں لپک کر جائیں اور ارادہ کرلیں کہ روزانہ کم از کم تین آیتیں پڑھیں گے اور اس کے مطابق اپنی زندگی بنانے کی کوشش کریں گے تو پانچ سال میں قرآن مجید مکمل پڑھا جائے گا اور یہ بڑا کام ہو جائے گا۔ اگر قرآن مجید کا مفہوم اور ترجمہ اس قوم کے ہر فرد تک پہنچ جائے، تو کوئی وجہ نہیں ہے

کہ اس کی حالت نہ بدل جائے۔

دوسری بات یہ کہ اگر ہم اپنے وقت میں سے رات یا صبح کسی بھی وقت پانچ منٹ نکال لیں اور اس دوران بیٹھ کر یہ سوچیں کہ آج ہم نے کون سا ایسا کام کیا ہے، جو ہمارے اللہ کو ناراض اور ناخوش کرنے والا تھا۔ بس اپنے آپ سے اتنا پوچھ لیں اور کچھ نہ کریں۔ اس سوال کا جواب خود آپ کے دل پر اس طرح نشتر چلائے گا، کہ آپ کی حالت بہتر ہوتی چلی جائے گی۔ چاہے آپ بالکل اصلاح نہ کریں، لیکن روز اپنے آپ سے پوچھیں کہ میں نے آج وہ کون سے کام کیے، جو میرے اللہ کو ناخوش کرنے والے ہیں اور جو مجھے آخرت میں جہنم میں لے جائیں گے۔ اگر اس سے آگے بڑھ کر آپ اصلاح کے لیے کوئی عملی قدم نہ اٹھائیں، یہ جائزہ و احتساب بذات خود آپ کی اصلاح کا پروگرام ثابت ہو گا۔ لیکن محض آپ کی اصلاح سے بات نہیں بنے گی۔ یہ کتاب آپ کو اس لیے دی گئی ہے کہ آپ اسے لے کر کھڑے ہوں، اور اسے دوسروں تک پہنچائیں۔ اس کے لیے اپنا وقت لگائیں۔ اور اس کتاب کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں۔ یہ اللہ کی کتاب کا آپ پر حق ہے اور خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اسی حق کو ادا کرتے ہوئے گزری ہے۔

"سنت" اور "حدیث" کی تعریف سے لوگ بخوبی واقف ہیں۔ ہمارے محدثین کے مطابق حدیث کی تعریف یہ ہے، کہ وہ کام جو اللہ کے رسولؐ نے کیا یا وہ بات جو آپؐ نے کہی یا وہ بات اور کام جو آپؐ کے سامنے کیا گیا اور آپؐ نے اسے اچھا کہا یا اسے دیکھ کر آپ خاموش رہے۔ یہ "حدیث" کی فنی تعریف ہے جو محدثین کرتے ہیں۔ یہ بھی سنت ہے کہ ہمارا لباس ایسا ہو، ہمارے چہرے پر داڑھی ہو۔ کبھی غور کیجیے، غار حرا سے لے کر اس وقت تک، جب آنحضورؐ نے اپنی جاں جان آفریں کے سپرد کی، اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دن رات کس کام میں صرف ہوتا تھا؟ سب سے بڑی سنت کیا تھی؟ یہی کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کے دین کی دعوت پہنچانا۔ پھر آپؐ صبح شام، رات دن، مکہ کی گلیوں اور طائف کی وادی میں، مدینہ اور مسجد نبویؐ میں، اپنے حجرے کے اندر بیٹھ کر، میدان جنگ میں فوجیں لے جا کر، کیا کام کر رہے تھے؟ آپؐ صرف اللہ کے دین کی دعوت پہنچا رہے تھے۔ اور اس کے لیے جہاد کر رہے تھے۔ اس عمل کے بغیر قرآن کا کام مکمل نہیں ہو سکتا۔ اس عمل کے بغیر رسولؐ اللہ سے محبت کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

اگر ہم نے یقین اور ایمان سے قرآن کے ساتھ معاملہ کیا تو ایک ایک فرد کے، پوری قوم کے اور امت مسلمہ کے تمام مسائل اس طرح حل ہو جائیں گے کہ جیسے کبھی موجود نہیں تھے۔ ورنہ یہ مسائل ہمارے سر پر مسلط رہیں گے، زندگی اسی طرح ایک عذاب بنی رہے گی، اور اسی عذاب میں ہم سب زندگی بسر کرتے رہیں گے۔ یہی قرآن کا پیغام ہے۔

(تدوین: سلیم منصور خالد - امجد عباسی)

عہد رسالتؐ میں

اسلامی ریاست کے بنیادی ادارے

سید معروف شاہ شیرازی

دنیا کے اکثر ممالک کے تحریری دساتیر میں ریاست کے بنیادی اداروں اور ان کے حدود کا تعین، متعلقہ ملک نے اپنے رسم و رواج اور اپنی ضروریات اور حالات کے مطابق کیا ہے۔ اسلام کے دستوری نظام کے بارے میں بھی اب کافی لٹریچر سامنے آ چکا ہے۔ تاہم اس لٹریچر میں جدید ریاست کے بنیادی اداروں، انتظامیہ (executive)، مقننہ (legislature) اور عدلیہ (judiciary) کے نقطہ نظر سے عہد نبویؐ کا مطالعہ نہیں کیا گیا۔ ہمارے فقہا خصوصاً امام ابوحنیفہؒ نے جس انداز سے اجتہاد کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے شریعت کے احکام کے تعین اور مسائل کے استنباط میں ان بنیادی اداروں کی حدود و قیود کا لحاظ رکھا، جبکہ دوسرے ائمہ، امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے ذہنوں میں اسلامی ریاست کی یہ سہ اداراتی حیثیت واضح نہ تھی۔ اس لیے ان دوسرے ائمہ نے بعض مسائل میں قرآن و سنت کی اس تعبیر سے الگ مسلک اختیار کیا ہے جو امام ابوحنیفہؒ نے اختیار کیا۔

امام ابوحنیفہؒ کے بعد فقہائے اسلام نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے تصرفات اور احکامات کا ریاست کے بنیادی اداروں کے زاویے سے مفصل جائزہ لیا ہے اور واضح طور پر متعین کیا ہے کہ بعض تصرفات کا تعلق حضورؐ کے ایک انتظامی سربراہ کی حیثیت سے تھا، بعض کا تعلق قاضی القضاۃ کی حیثیت سے تھا اور بعض بحیثیت شارع اور مقنن تھے۔ اگرچہ حضورؐ کے تمام افعال وحی پر مبنی تھے۔

ان علما نے تصریح کی ہے کہ جن آیات و نصوص کا تعلق شرعی قانون سازی اور شرعی فتویٰ سے تھا، وہ عام ہدایات ہیں۔ ان کا اتباع اور ان کی تعلیم عام انسانوں پر تاقیامت لازم ہے چاہے وہ حاکم ہوں یا محکوم، جج ہوں یا فریقین مقدمہ۔ ان احکام کا تعلق آپؐ کے منصب رسالتؐ سے ہے۔ جو احکام اور ہدایات آپؐ نے بحیثیت انتظامی سربراہ کے دیں، ان کا تعلق مسلمانوں کے ریاستی سربراہ سے ہو گا اور جو فیصلے آپؐ نے بحیثیت جج فرمائے، ان کا اتباع اسلامی ریاست کے قاضی کریں گے۔ عام مسلمان حضورؐ کی پیروی کرنے کے

بہانے ان امور کو ہاتھ میں نہیں لے سکتے، مثلاً وہ خود عدالت لگا کر کسی کو سزائے موت دے دیں، یہ جائز نہ ہو گا۔

علما نے واضح طور پر تحریر کیا ہے کہ رسول کریمؐ بیک وقت شارع اور مقنن، انتظامی سربراہ اور افواج کے سپہ سالار، اور ایک جج اور قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز تھے۔ ان مناصب پر بیک وقت ایک نبی ہی فائز ہو سکتا ہے اور نبیوں میں سے بھی صرف وہ انبیا جو اولوالعزم من الرسل ہوں۔ اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ نبیؐ کی پوری سیرت اور قرآن و سنت کے پورے ریکارڈ کا اس زاویے سے جائزہ لیا جائے۔

میرے علم کی حد تک اس زاویے سے حضور اکرمؐ کی سیرت کا مفصل اور واضح جائزہ سب سے پہلے امام شہاب الدین قرافی (متوفی ۶۸۳ھ) نے اپنی مشہور کتاب الفروق میں لیا ہے۔ اس کی مزید توضیح و تشریح علامہ ابن شاط (۶۴۳ھ۔۷۲۳ھ) نے کی اور ان تمام مباحث کو علامہ محمد علی نے مزید مرتب اور منقح کیا۔

علامہ قرافیؒ لکھتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم سربراہ مملکت، ایک عظیم سپریم جج اور ایک ایسے مفتی تھے جو سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ آپؐ شہنشاہ عالم، قاضی القضاۃ، اور سب علما اور ماہرین شریعت سے زیادہ عالم تھے۔ اللہ نے آپؐ کے منصب رسالتؐ میں سب کے سب امور جمع کر دیے تھے۔ جو لوگ کبھی بھی ان مناصب پر فائز ہوئے، ان میں آپؐ عظیم تر تھے اور یہ ریکارڈ قیامت تک ایسا ہی رہے گا۔

ان تمام حیثیتوں میں آپؐ کی غالب حیثیت رسول، مبلغ، شارع اور قانون ساز کی تھی۔ آپؐ کے اقوال و تصرفات میں سے بعض کے بارے میں علما کا اتفاق ہے کہ ان کا تعلق تبلیغ رسالت اور فتاویٰ شریعت سے تھا۔ بعض احکام اور تصرفات کے بارے میں اجماع ہے کہ ان کا تعلق امامت (executive) سے تھا اور بعض کے بارے میں اتفاق ہے کہ ان کا تعلق قضا (judiciary) سے تھا اور بعض کے بارے میں علما کے درمیان اختلاف ہے، کوئی کسی تصرف کو عدلیہ کا تصرف قرار دیتا ہے، کوئی انتظامیہ کا اور کوئی دونوں کا۔ بعض لوگ ایک حیثیت کو غالب قرار دیتے ہیں اور بعض دوسری کو۔

حضورؐ کے ان تصرفات کو مختلف زاویے سے دیکھنے کی وجہ سے ان کے آثار بھی مختلف برآمد ہوئے ہیں اور فقہا کے درمیان احکام کے تعین میں اختلاف ہوا ہے کیونکہ آپؐ نے جو ہدایات دیں یا جو کام بطور تبلیغ کیے، ان کی پیروی عام لوگوں پر تاقیامت لازم ہے۔ اگر کوئی قول یا فعل کسی بات کا حکم دیتا ہے تو اس بات پر عمل ضروری ہو گا اور ہر کوئی اس پر ازخود عمل کرے گا۔ مباحات اسی درجے میں آتے ہیں۔ اگر آپؐ کے قول و فعل سے کسی بات کی نہی ثابت ہوتی ہے تو ہر شخص ازخود اس سے رکے گا۔

اگر کوئی فعل یا حکم حضورؐ نے بطور امامت سرانجام دیا ہے تو کسی عام مسلمان کے لیے اس پر، امام وقت کی اجازت کے بغیر، عمل جائز نہ ہو گا اور اس طرح سے آپؐ کی سنت کی پیروی ہو گی۔ اس لیے کہ حضورؐ نے بھی یہ حکم بطور امام دیا تھا، یہ عوام کے لیے تبلیغ شریعت نہ تھی۔

اسی طرح آپؐ نے قاضی کی حیثیت سے جو کام کیے، ان پر عمل بھی قاضی وقت کے فیصلے کے مطابق ہو گا۔ کوئی شخص ازخود اس کو ہاتھ میں نہ لے گا کیونکہ وہ کام حضورؐ نے بحیثیت قاضی کیا تھا۔ لہٰذا اب قاضی ہی کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس طرح کے فیصلے کرے"۔ (الفروق القرافی، ج ۱، ص ۲۰۶ طبع بیروت)

علامہ القرافیؒ کے شارح، ابن شاط اس کی تشریح نہایت اختصار اور خوب صورتی سے کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہا کے ذہنوں میں ریاست کا "سہ ادارتی" نظام بالکل واضح تھا۔ جس کے مطابق رسول اللہؐ عدلیہ کے سربراہ بھی تھے اور انتظامیہ کے بھی، اور شارع و مقنن بھی تھے۔ علامہ ابن شاط لکھتے ہیں: "میں کہتا ہوں علامہ قرافیؒ نے ان مسائل کو اچھی طرح واضح نہیں کیا، اگر یوں کہا جائے تو بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے: احکام شریعت میں تصرف یا تو یوں ہو گا کہ شریعت کو متعارف کرایا جائے یا اس تصرف کا شریعت کے نفاذ سے تعلق ہو گا۔ اگر اس کا تعلق شریعت کو متعارف کرانے سے ہو تو یہ تبلیغ سے متعلق ہے اور یہ مبلغ اگر اللہ کی طرف سے ہے تو یہ رسول ہے، اور اگر اللہ کی طرف سے نہیں ہے تو مفتی ہے، اور اس کا تصرف فتویٰ ہے۔ اگر اس تصرف کا تعلق نفاذ سے ہو اور یہ نفاذ بذریعہ عدالتی فیصلہ، حکم اور ڈگری کے ہو تو یہ عدلیہ کا تصرف ہے۔ اس قسم کا متصرف قاضی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ تصرف انتظامی ہے اور یہ امام وقت کا استحقاق (prerogative) ہے۔ (الفروق قرافی، ج ۱، ص ۲۰۶-۲۰۷)

فقہائے کرام نے جب اس زاویے سے قرآن و سنت کے احکام کا جائزہ لیا تو ان کے درمیان اس اصول کے مطابق، نصوص کی تشریح کرتے ہوئے اختلاف ہوا۔ اس اختلاف پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سبب یہی ریاست کا سہ ادارتی نظام ہے۔

حضور اکرمؐ کی حدیث ہے: من احیا ارضا میتة فھی له "جس نے ایک مردہ اور غیر آباد زمین کو زندہ کیا، یہ اس کی ہو گی"۔ علما نے اس حدیث پر غور کیا کہ آیا اس کا تعلق حضورؐ کی مبلغ احکام اور شارع کی حیثیت سے ہے کہ آپؐ نے یہ دائمی قانون بنا دیا، اب جو شخص چاہے جہاں چاہے مردہ زمین پر قبضہ کرے، اسے آباد کرے اور مالک بن جائے، اس سلسلے میں اسے امام وقت یا حکومت سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مسلک امام شافعیؒ کا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ زمین شہروں کے قریب ہے تو امام سے اجازت لے کر استعمال کرے گا اور اگر دور ہے تو بغیر اجازت کے بھی آباد کر سکتا ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے یہ حکم بطور امام اور سربراہ مملکت دیا ہے۔ لہٰذا آئندہ جو بھی مردہ زمین کو آباد کرے، امام کی اجازت سے کرے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ الاٹمنٹ یا لیز ایک انتظامی کام ہے اور یہ امام کی اجازت سے ہو سکتا ہے۔ جس طرح امام قرافیؒ نے بعض متفقہ علیہ مسائل کی تصریح کی ہے، مثلاً اعلان جنگ، لشکرکشی، باغیوں، مثلاً خوارج وغیرہ کی سرکوبی، بیت المال کی رقومات کو ان کی مدات پر صرف کرنا، قاضی اور گورنر کا تقرر، بجٹ کی تقسیم، کفار اور اہل ذمہ کے ساتھ معاہدات، معاہدات صلح، یہ سب کام

بالاتفاق انتظامی امور ہیں۔ پہلے یہ اختیارات حضورؐ کو حاصل تھے اور اس حیثیت سے آپؐ نے یہ تصرفات کیے۔ (الفروق قرافی' ج ۱' ص ۲۰۷)

امام قرافیؒ چونکہ مالکی المذہب تھے اس لیے انھوں نے مذکورہ بالا حدیث: من احیا ارضا میتة فھی له ' میں امام مالکؒ کے مذہب کو ترجیح دی ہے۔ لیکن دیکھا جا سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک نہایت ہی مفید ہے' ورنہ اس حکم پر بغیر اجازت امام کے عمل کرنے سے ایک فساد برپا ہو سکتا ہے۔ امام مالکؒ نے بھی شہروں کے قریب اراضی کو اجازت سے اسی لیے مشروط کیا ہے کہ فساد برپا نہ ہو۔

ریاست کے سہ لوارتی پہلوؤں کی دوسری مثال امام قرافیؒ نے ابوسفیانؓ کی بیوی ہندہؓ بنت عتبہ کے واقعے سے دی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' فرماتی ہیں: "ابوسفیانؓ کی بیوی ہندہؓ بنت عتبہ رسولؐ اللہ کے پاس آئی۔ اس نے کہا اے رسولؐ خدا! ابوسفیانؓ ایک کنجوس آدمی ہے' وہ مجھے اس قدر خرچہ نہیں دیتا جو میرے اور میرے بیٹوں کے لیے کافی ہو' ماسوائے اس کے کہ میں اس کے مال سے اس کے علم کے بغیر لوں' تو کیا اس میں مجھ پر کوئی گناہ ہو گا؟ آپؐ نے فرمایا: اس کے مال سے اپنی اور اپنے بیٹوں کی ضرورت کے مطابق معروف طریقے سے لو"۔ (بخاری' مسلم)

اس حدیث کے بارے میں فقہائے اسلام کے درمیان اختلاف ہوا ہے کہ آیا یہ حضورؐ کا شرعی فتویٰ ہے اور مستقل قانون سازی ہے کہ جس شخص کا کوئی حق دوسرے کے ذمے ہو اسے لے لے' بغیر اس کے کہ اس پر کوئی دعویٰ کرے' مثلاً زید کی کوئی چیز عمر نے چرائی ہو یا غصب کی ہو یا اس کے پاس امانت ہو اور وہ منکر ہو گیا ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس چیز کو چوری' غصب یا کسی حیلے سے قبضے میں لے لے۔ یوں یہ حدیث ایک عدالتی فیصلہ ہے' اور جس شخص کا کوئی حق دوسرے کے پاس ہو' اس کے لیے لازم ہے کہ وہ پہلے عدالت میں جائے' اسے ثابت کرے اور عدالت کے فیصلے کے تحت اسے حاصل کرے یا حضورؐ نے بطور حاکم وقت ایک شخص کو اجازت دی کہ وہ ایسا کر سکتا ہے۔ امام شافعیؒ اس طرف گئے ہیں کہ یہ ایک شرعی قانون ہے جس کے مطابق حضورؐ نے ہندہؓ کو فتویٰ دیا تھا کہ وہ ابوسفیانؓ کے مال سے بقدر کفاف لے' اس کے علم کے بغیر۔ ان کے نزدیک' جو شخص اپنا حق جس کسی کے پاس جہاں پائے' اسے لے لے۔ امام شافعیؒ کی یہ رائے امن و امان کے زاویے سے اچھی نہیں ہے' اس طرح معاشرے میں فساد برپا ہو سکتا ہے۔

امام مالکؒ نے اسے ایک جج کا فیصلہ قرار دیا ہے۔ لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر یہ عدالتی کارروائی تھی تو اس میں مدعا علیہ حاضر نہ تھا' جبکہ روایات میں آتا ہے کہ ابوسفیانؓ اس وقت مدینہ میں موجود تھے' اور یک طرفہ ڈگری صرف اس شخص کے خلاف صادر کی جا سکتی ہے جو شہر سے باہر ہو یا جس کا کوئی اتا پتا نہ ہو۔

امام ابو حنیفہؒ پہلے امر کے قائل تھے کہ یہ حضورؐ کی طرف سے فتویٰ ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ

وہاں مدعا علیہ حاضر ہو' لیکن ان کا آخری قول یہ ہے کہ مدعا علیہ کے بغیر قاضی کوئی فیصلہ نہیں دے سکتا۔ لہٰذا ابوسفیانؓ کے خلاف حضورؐ کا حکم ایک انتظامی حکم ہوگا: "یہ ہندہؓ کی امداد تھی یعنی کوئی عدالتی فیصلہ نہ تھا' یہ کہ آپؐ نے بطور حاکم ان کی مدد فرمائی۔ نہ یہ دائمی قانون ہے کہ کوئی اپنا حق جہاں دیکھے فوراً قبضہ کر لے' نہ یہ عدالتی فیصلہ ہے' جس میں فریق دوئم موجود نہیں ہے۔ بلکہ محض وقتی اعانت ہے"۔ (بدائع الصنائع' الکاسانی' ج ۲' ص ۴۴)

امام ابوحنیفہؒ کی رائے نہایت حکیمانہ ہے۔ حضورؐ کے فیصلے کو ایک دائمی ضابطہ شریعت بھی نہیں کہا جا سکتا کہ لوگ اپنے زور سے اپنے حق کو جب چاہیں لے لیں۔ اسے ایک عدالتی فیصلہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہاں مدعا علیہ موجود نہیں ہے۔ اگر اس حکم کو انتظامی قرار دیا جائے تو اس سے وہ خرابی بھی پیدا نہیں ہوتی جو امام شافعیؒ کی رائے کے مطابق ہوتی ہے کہ امن و امان ختم ہو جائے' اور اگر عدالتی فیصلہ کہا جائے تو ضابطہ دیوانی کا ایک اہم اصول ٹوٹ جائے گا کہ عدالت میں مدعا علیہ کو دفاع کا موقع ملنا چاہیے۔

اس اصول کے مطابق' یعنی ریاست کے اداراتی نظام کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہا نے ایک تیسری حدیث کا جائزہ یوں لیا ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا: **من قتل قتیلا فلہ سلبہ** "جس نے کسی مقتول کو قتل کیا' اس کا سامان اسی کا ہوگا"۔ آیا یہ حدیث ایک شرعی فتویٰ اور قانون سازی ہے کیونکہ حضور شارع بھی تھے۔ اگر یہ مستقل فتویٰ اور قانون شریعت ہے تو پھر قیامت تک کسی بھی جنگ میں جو سامان جس شخص کے ہاتھ آیا وہ اسی کا ہوگا' یا یہ حضورؐ کا کسی مخصوص جنگ میں ایک انتظامی آرڈر تھا اور اس جنگ یا ان حالات کے ساتھ مخصوص تھا۔ آنے والے زمانوں میں جو شخص منتظم اعلیٰ ہوگا' وہ حالات اور ضروریات کے مطابق حکم دے گا اور فوجیوں کو جو تصرف بھی کرنا ہوگا وہ امام کے حکم کے مطابق کرنا ہوگا۔

حضورؐ کی ذات میں اگرچہ تمام مناصب جمع ہو گئے تھے پھر بھی علماے کرام نے آپؐ کے احکام و اقوال کو تین زاویوں سے دیکھا۔ بعد کے زمانوں میں اسلامی نظام میں یہ تین شعبے الگ ہو گئے تھے۔ قانون سازی کا کام صحابہ و مجتہدین کی آرا اور مجلس شوریٰ کے اجتماعی فیصلوں کی صورت میں ہوتا تھا۔ عدالتی امور مقرر کردہ قاضیوں کے اختیار میں تھے اور انتظامی معاملات خلیفہ وقت کے پاس تھے۔ سربراہ مملکت اور خلیفہ بھی قانونی چارہ جوئی سے مستثنیٰ نہ تھے۔

مولانا مودودیؒ نے بھی رسولؐ اللہ کی ان تین جہتوں کا تعین کیا ہے۔ سورہ اعراف آیت ۱۵۷ اور سورہ حشر آیت ۷ کے حوالے سے وہ رسولؐ اللہ کے شارع ہونے کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: "اس آیت کے الفاظ اس امر میں بالکل صریح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کو تشریعی اختیارات (legislative powers) عطا کیے تھے۔ اللہ کی طرف سے تحلیل و تحریم صرف وہی نہیں ہے جو قرآن میں بیان ہوئی ہے' بلکہ جو کچھ نبیؐ نے حرام و حلال قرار دیا ہے اور جس چیز کا حضورؐ نے حکم دیا ہے یا جس سے منع کیا ہے' وہ

بھی اللہ کے دیے ہوئے اختیارات سے ہے۔ اس لیے وہ بھی قانون خداوندی [شریعت] کا ایک حصہ ہے"۔ (اسلامی ریاست' ص ۲۸۰)

حضورؐ کے تصرفات قضا کے بارے میں مولانا مودودیؒ سورہ نساء آیات ۶۱' ۶۵' ۱۰۵' سورہ شوریٰ آیت ۱۵' سورہ نور آیت ۵۱ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"یہ تمام آیتیں اس امر میں صریح ہیں کہ نبیؐ خود ساختہ یا مسلمانوں کے مقرر کیے ہوئے جج نہیں بلکہ اللہ کے مقرر کیے ہوئے جج تھے' اور آپؐ کی جج ہونے کی حیثیت رسالت کی حیثیت سے الگ نہیں تھی بلکہ رسول ہی کی حیثیت میں آپ جج بھی تھے"۔ (اسلامی ریاست' ص ۲۸۲)

حضورؐ کی سربراہ مملکت کی حیثیت کے بارے میں بھی مولانا مودودیؒ نے کلام کیا ہے۔ سورہ نساء آیت ۵۹' ۶۴' ۸۰' سورہ فتح آیت ۱۰' سورہ محمد آیت ۳۳' سورہ احزاب' آیت ۳۶ کی روشنی میں وہ فرماتے ہیں: "یہ آیات صاف بتا رہی ہیں کہ رسول کوئی ایسا حاکم نہیں ہے کہ جو خود اپنی قائم کردہ ریاست کا سربراہ بن بیٹھا ہو' یا جسے لوگوں نے منتخب کر کے سربراہ بنایا ہو بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور کیا ہوا فرماں روا ہے۔ اس کی فرماں روائی منصب رسالت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اس کا رسول ہونا ہی اللہ کی طرف سے اس کا حاکم مطاع ہونا ہے"۔ (اسلامی ریاست' ص ۲۸۳)

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ اللہ کی جانب سے بیک وقت شارع' قاضی اور حاکم تھے اور یہ تمام پہلو حضور اکرمؐ کی نبوت کے مختلف پہلو تھے۔

اوپر علامہ قرافیؒ نے جو تصریحات کی ہیں' وہ اس لحاظ سے نہایت وقیع ہیں کہ ان میں رسول اللہؐ کے بعد کے ادوار کے لیے یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد' آپؐ کے شارع ہونے کے پہلو میں پیروی علمائے مجتہدین' راسخون فی العلم اور مفتیان کرام کریں گے' آپؐ کے قضا کے پہلو کی پیروی امت کے قضاۃ کریں گے اور آپؐ کے تصرفات حکمرانی میں آپؐ کی پیروی حکمران کریں گے جبکہ بحیثیت مجموعی آپؐ کی تمام حیثیتیں پوری امت کے لیے قابل اتباع ہیں۔

اخبارِ اُمّت

سربراہ کانفرنس : امیدیں' توقعات

عبدالغفار عزیز

پہلی اسلامی سربراہ کانفرنس تقریباً تیس سال قبل منعقد ہوئی تھی۔ ان تیس برسوں میں اور چند روز قبل تہران میں اختتام پذیر ہونے والی آٹھویں سربراہی کانفرنس سمیت ان تمام عالمی اجتماعات میں عالم اسلام نے کیا حاصل کیا؟ اس سوال کا جواب بہت واضح اور صدمہ خیز ہے۔ کروڑوں نہیں بلامبالغہ اربوں ڈالر کے اخراجات' لاتعداد قراردادیں' میزبان ملک میں کانفرنس کی تیاریوں کا بخار' عالمی ذرائع ابلاغ میں حسب توفیق ابلاغیاتی غلغلہ اور بس۔

اس سب کچھ کے باوجود بھی امت مسلمہ کو یہ سربراہ کانفرنسیں عزیز ہیں۔ امت چاہتی ہے کہ یہ ملن ہوتا رہے' شاید کہ اس میل ملاقات کے نتیجے میں ہی عالم اسلام کی وحدت کا خواب تعبیر سے آشنا ہو جائے۔ حالیہ تہران کانفرنس کے بعد اس امید اور آرزو میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ تمام مبصرین' تجزیہ نگاروں اور اکثر شرکاے کانفرنس کے بقول یہ اب تک کی کامیاب ترین کانفرنس تھی۔ اس کانفرنس میں ۱۴۲ قراردادوں کا ایک انبار منظور کیا گیا' لیکن کانفرنس ہال سے ہٹ کر دو طرفہ اور سہ طرفہ ایسی متعدد ملاقاتیں ہوئیں جن کے نتیجے میں متعدد مسائل حل ہونے کی امید پیدا ہوئی ہے۔ ان بعض ملاقاتوں میں ان سربراہان کے درمیان بھی ملاقاتیں ہو گئیں جو طویل عرصے سے آپس میں نہیں ملے تھے۔

ان ملاقاتوں کے نتیجے میں ترکی اور ایران کا وہ تنازعہ ختم ہونے کی امید پیدا ہو گئی جو اب سے اٹھارہ ماہ قبل ترکی میں ایرانی سفارت کار کے اس بیان کے بعد اٹھ کھڑا ہوا تھا جو اس نے فلسطین اور القدس کے متعلق دیا تھا۔ اب دونوں ممالک نے اس امید کا اظہار کیا ہے کہ عنقریب وہ دوبارہ سفارتی تعلقات قائم کر لیں گے۔ اسی طرح ایرانی تیل کی پائپ لائن ترکی سے گزار کر بحر متوسط تک پہنچانے کی بات چیت بھی دوبارہ شروع ہو گئی ہے۔

ان باہمی ملاقاتوں میں مسلم ممالک کے درمیان باہمی تجارت میں اضافے پہ گفت و شنید ہوئی ہے اور

اس تجویز پر کچھ پیش رفت ہوئی ہے کہ تمام اسلامی ممالک اپنی پیداوار کا کم از کم ۶ فی صد حصہ دوسرے مسلم ممالک کو تجارت کے ذریعے ارسال کریں۔

سعودی عرب اور ایران کے درمیان وہ گرم جوشی سامنے آئی ہے جو ایرانی انقلاب کے بعد سے مفقود تھی۔ دونوں ممالک کے سربراہان نے ایک سے زیادہ مرتبہ دو طرفہ مذاکرات کیے۔ ایک دفعہ صدر محمد خاتمی نے سعودی عرب کے ولی عہد شہزادہ عبداللہ بن عبدالعزیز سے تنہائی میں ۴۵ منٹ ملاقات کی۔ کانفرنس کے افتتاحی خطاب میں آیت اللہ خامنہ ای نے تو امریکہ کے خلاف بہت سخت زبان استعمال کی، لیکن صدر خاتمی نے مغرب کے ساتھ مذاکرات کی بات کی تو سعودی ولی عہد نے فوراً ایران اور امریکہ کے درمیان ثالثی کی پیشکش کی جس کے بعد امریکی وزارت خارجہ کے ترجمان نے بھی ایرانی پیشکش کا خیر مقدم کیا۔ یہ پیش رفت مستقبل میں خطے کی سیاست پہ بہت گہرا اثر ڈال سکتی ہے کیونکہ اس کانفرنس سے چند ماہ قبل تک امریکہ کی بھرپور کوشش تھی کہ ایران میں اسلامی سربراہ کانفرنس منعقد ہی نہ ہو سکے کیونکہ اس سے ایران کو تنہا کرنے کی مغربی پالیسی کو شدید نقصان پہنچتا تھا۔ لیکن ایرانی سفارت کاری اور، خاص طور پر گذشتہ مارچ میں پاکستان میں سعودی ولی عہد عبداللہ بن عبدالعزیز اور ایرانی صدر ہاشمی رفسنجانی کی ملاقات سے شروع ہونے والی عرب ایران بات چیت، نے اس کانفرنس کو ممکن بنا دیا۔ اس ضمن میں ایک اہم عامل یہ بھی کار فرما رہا کہ فلسطین میں امن مذاکرات کے نام سے شروع ہونے والا صیہونی منصوبہ اس وقت مشکل ترین لمحات سے دوچار ہے۔ نیتن یاہو انتظامیہ کے ساتھ اکثر عرب ممالک اس پالیسی کو جاری نہیں رکھ سکے جو اس کے پیش رو کے ساتھ چل رہی تھی۔ اب انھی عرب ممالک نے جو صیہونی انتظامیہ سے مذاکرات، سفارتی تعلقات اور اقتصادی روابط کے حامی تھے، قطر اقتصادی کانفرنس کا صرف اس لیے بائیکاٹ کیا کہ اس میں "اسرائیلی" انتظامیہ کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس تناظر میں دیکھیں تو تہران اسلامی سربراہ کانفرنس مستقبل میں امت مسلمہ کی پالیسیوں پہ گہرے اثرات چھوڑ سکتی ہے۔ اس کانفرنس کے کامیاب انعقاد سے مغربی ایجنڈے کی دو شقیں ناکام ہو گئیں۔ امریکہ قطر کانفرنس کے ذریعے مسلم ممالک کے صیہونی انتظامیہ سے تعلقات مضبوط کرنے میں بھی ناکام رہا اور ایران سے اپنے تعلقات کو بحال کرنے سے روکنے میں بھی۔ سعودی عرب کے علاوہ بحرین، مصر، آذربائیجان، متحدہ عرب امارات اور لیبیا کے ساتھ بھی ایرانی تعلقات بہتر ہوئے ہیں۔ بحرین کے وفد کے سربراہ کو یہ یقین دہانی کروائی گئی ہے کہ بحرین میں ہونے والے مظاہروں کے پیچھے ایران کار فرما نہیں ہے۔ آذربائیجان کے ساتھ بحر خزر کے تیل کے ذخائر کے بارے میں ایک متفق علیہ پالیسی کا اعلان کیا گیا ہے اور فیصلہ کیا گیا ہے کہ ایران ان ذخائر سے اپنا ۱۰ فی صد حصہ وصول کرتا رہے گا۔ متحدہ عرب امارات کے وزیر خارجہ شیخ راشد النعیمی کے ساتھ صدر خاتمی کی ملاقات بھی شنید ہے کہ مثبت رہی اور ایران نے یہ یقین

وہانی کروائی کہ وہ امارات کے ساتھ اپنے تعلقات بہتر کرنا چاہتا ہے۔ ان دو برادر ممالک کے درمیان اس امر پر تنازعہ چلا آ رہا ہے کہ آبنائے ہرمز کے قریب واقع تین جزیروں پر کس کا حق ہے؟ فی الوقت ان پر ایران کا قبضہ ہے۔ حالیہ کانفرنس میں امارات کے سربراہ شیخ زاید بن سلطان شاید اسی وجہ سے خود شریک نہیں ہوئے کہ پہلے یہ تنازعہ ختم کیا جائے۔ اب معلوم ہوا ہے کہ دونوں ممالک اس ضمن میں مذاکراتی وفود تشکیل دے رہے ہیں جو عنقریب ایک دوسرے کے ممالک کا دورہ کریں گے۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ کانفرنس کے انعقاد سے پہلے اس طرح کے تمام تنازعات کو حل کرنے کی کوشش کی جاتی۔ ایران امارات تنازعے کے علاوہ قطر و بحرین' سعودیہ و یمن' کویت و عراق اور مصر و سوڈان کے باہمی مسائل نیز امت کے بڑے مسائل: کشمیر' فلسطین' بوسنیا' الجزائر' چیچنیا کا "عملی حل" تلاش کیا جاتا۔ امت کی وحدت و ترقی اور اصلاح کا کوئی اسلامی ایجنڈا وضع کیا جاتا۔ لیبیا' سوڈان اور دیگر ممالک پر سے اقتصادی پابندیاں ہٹانے کے لیے کوئی موثر منصوبہ بندی کی جاتی۔ امت مسلمہ کو اسلامی تہذیب و ثقافت میں ڈھالنے اور مغربی تہذیب کا مقابلہ کرنے کے لیے کوئی ٹھوس عملی پالیسی بنائی جاتی اور پھر تمام مسلم سربراہان مل بیٹھ کر ان پالیسیوں کی نوک پلک درست کر کے انھیں پوری قوت سے نافذ کر دینے کا اعلان کر دیتے۔ کیونکہ صرف قراردادیں اور اختتامی اعلامیہ میں مسلم امت کے مسائل کا ذکر کر دینا مسائل کو حل نہیں کرتا۔

پاکستان لاکھ اعلانات کرتا پھرے کہ اس نے تہران کانفرنس میں بہت اچھی قراردادیں منظور کروائی ہیں لیکن کیا ان قراردادوں سے کشمیری مظلوموں پر توڑے جانے والے مظالم میں کوئی کمی آئے گی؟ اگر پاکستان میں کوئی مجاہد قیادت بر سر اقتدار ہوتی تو تہران کے لیے صرف یہی ایجنڈا لے کر نہ جاتی کہ "قرارداد" منظور کروانا ہے' وہ کانفرنس میں مسلم ممالک کو کم از کم اس بات پہ قائل کرنے کی کوشش کرتی کہ وہ بھارت کا اقتصادی بائیکاٹ کریں۔

تہران کانفرنس کا ایک یہ پہلو بھی قابل مطالعہ ہے کہ اس میں کئی ممالک کی نمایندگی سربراہی سطح کی نہیں تھی۔ مصر کے حسنی مبارک' لیبیا کے کرنل قذافی' مراکش کے شاہ حسن الثانی (جو اسلامی سربراہی کانفرنس کے سابق صدر بھی تھے) تیونس کے زین العابدین بن علی' الجزائر کے امین زروال' سلطنت عمان کے سلطان قابوس' بحرین کے عیسیٰ آل خلیفہ' متحدہ عرب امارات کے شیخ زاید بن سلطان اور انڈونیشیا کے سوہارتو اس کانفرنس میں نہیں آئے۔ ان سربراہان میں سے جو سربراہ کسی مسئلے یا تنازعے کی وجہ سے نہیں آئے' مسلم ممالک کو وہ تنازعہ حل کرنے کی زیادہ سعی کرنی چاہیے۔

اس کانفرنس میں سوڈان کو درپیش مسائل اور اس کی اسلامی حکومت کو ملنے والی مغربی دھمکیوں کا کوئی

نوٹس نہیں لیا گیا جس سے امت کے اس تصور میں کمزوری آئی ہے کہ پوری امت ایک جسد ہے جو اپنے کسی عضو کی تکلیف پر بے چین ہو جاتا ہے۔

کانفرنس کے انعقاد ہی کے دنوں میں ترکی اور اسرائیل نے ایک بار پھر اعلیٰ سطحی مذاکرات کے ذریعے باہمی تعاون، خاص طور پر عسکری تعاون پر اصرار کیا ہے اور اس کے لیے آیندہ بیس سال میں ۱۵۰ ارب ڈالر کا بجٹ بتایا گیا ہے، یعنی ہر سال تقریباً ۸ ارب ڈالر۔ کیا مسلم امت اپنے دشمن پر نگاہ رکھتے ہوئے یہ جائزہ لے سکے گی کہ سربراہی کانفرنس منعقد کر کے حاصل ہونے والے فوائد زیادہ ہیں، یا عملی اقدام کرتے ہوئے سربراہی کانفرنس کے بغیر ہی ۱۵۰ ارب ڈالر صرف ترکی کے خزانے سے نکلوا لینا زیادہ نقصان دہ ہے۔

ترک اسرائیلی امریکی مثلث

حامد عبدالرحمٰن الکاف

ترکی کے فوجی اور سول اسلام دشمن عناصر نے اسرائیل کے ساتھ کھلم کھلا عسکری تعاون کی پالیسی اپنائی ہے، جس کی ایک شکل فضائی اڈوں کا استعمال اور ترکی طیاروں کی دیکھ بھال (maintenance) کے معاہدے ہیں۔ ان معاہدات کا خطرناک پہلو اس وقت سامنے آیا جب اسرائیلی طیاروں نے ترکی کے فضائی اڈوں سے پرواز کر کے جنوبی لبنان پر بم گرائے۔ ۱۹۸۲ میں جب اسرائیل نے لبنان سے فوجی انخلا کا فیصلہ کیا تو اس کا ایک جزو یہ بھی تھا کہ وہ جنوبی لبنان میں ایک ایسی فوجی پٹی وجود میں لائے گا جس میں لبنان کے عیسائی اور اسرائیل کے فوجی دستوں کو تعینات کیا جائے گا۔ یہ پٹی لبنان کے سمندری علاقے سے شروع ہو کر جنوبی لبنان سے گزرتی ہوئی شمال مشرقی لبنان کی طرف لبنانی شامی مشترک سرحدوں سے جا ملتی ہے۔ اس طرح خود اسرائیلی فوج اور اس کے ساتھ لبنانی عیسائیوں کے فوجی دستے لبنان اور شام دونوں پر اپنا بھرپور دباؤ ڈالے ہوئے ہیں۔

اسرائیلی طیاروں کا ترکی سے پرواز کر کے جنوبی لبنان پر حملہ آور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ترکی:

(الف) دو عرب ملکوں پر جارحانہ حملوں میں اسرائیل کے ساتھ براہ راست اور برابر کا شریک ہے۔

(ب) شام اور لبنان پر اسرائیل کے فوجی دباؤ اور خطرات کو، جو جنوبی لبنانی پٹی کی شکل میں ہیں، صحیح گردانتا ہے۔

(ج) جنوبی لبنان کی مقبوضہ پٹی اور مقبوضہ جولان کے ناجائز قبضوں اور ان پر جارحانہ اسرائیلی کارروائیوں کو ترکی "قانونی" سرگرمیاں تصور کرتا ہے اور اسی بنیاد پر وہ اسرائیل کا ساتھ بھی دے رہا ہے۔

اس پر مستزاد، ترکی نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ ترکی، شامی، لبنانی اور اسرائیلی ساحلوں کے سامنے اسرائیلی اور

امریکی فوجی بیڑوں کے ساتھ مشترکہ جنگی تربیتی مشقوں میں بھی حصہ لے گا۔ پتا نہیں اس قسم کی بحری تربیتی پروگراموں کی کیا حاجت ہے جبکہ اب روس کا خطرہ بھی ختم ہو چکا ہے؟ دراصل اس سے شام کو یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ وہ فضائی اور بحری دونوں طرف سے اسرائیل، ترکی اور امریکہ کے رحم و کرم پر ہے۔ اگر یہ تینوں طاقتیں کسی بھی وقت شام کو سبق سکھانے کا فیصلہ کریں تو اس کا حلیف، ایران، نہ تو زمین کے راستے سے مدد کر سکتا ہے اور نہ فضائی کمک پہنچا سکتا ہے کیونکہ ان دونوں راستوں کو استعمال کرنے کی صورت میں اسے پہلے عراق سے نمٹنا ہو گا جو ایران اور خود شام کا دیرینہ دشمن ہے۔ اس طرح شام و لبنان عملاً اسرائیل کے شمالی غربی محاذ سے کٹ کر اب اسرائیل اور ترکی اور امریکہ کے رحم و کرم پر جی رہے ہیں۔ اس کے بعد ایرانی بحری امداد کا ذکر ہی بے محل بات ہے۔

ترکی، اسرائیلی، امریکی فوجی اور سیاسی گٹھ جوڑ کے دور رس اثرات کا اندازہ لگانے کے لیے ہمیں یہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ (۱) مصری-اسرائیلی معاہدۂ صلح کے بعد اسرائیل کی جنوبی سرحد کا تعین ہو چکا ہے۔ (۲) اردنی-اسرائیلی معاہدۂ صلح کے بعد اسرائیل کے مشرقی حدود کا تعین بھی ہو چکا ہے۔ اب شام پر براہ راست اور لبنان پر "نمنا" زبردست فوجی، سیاسی، اقتصادی اور مالی دباؤ ڈالا رہا ہے تاکہ یہ دونوں ملک ایران کے برخلاف اسرائیل سے معاہدۂ صلح کرنے پر اور ایران سے اپنے تعلقات ختم کرنے پر راضی ہو جائیں۔

یہ ایرانی خطرات کے زاویہ نگاہ سے عرب اسرائیل کشمکش کا ایک پہلو ہے۔ اس کے دو خطرناک پہلو اور بھی ہیں جن میں سے ایک کو ہم دجلہ و فرات کے پانی کی تقسیم کا مسئلہ کہہ سکتے ہیں اور دوسرا فوجی، سیاسی، اقتصادی پہلو ہے جو مغرب میں شامی، لبنانی، اسرائیلی ساحلوں سے شروع ہو کر مشرق میں خلیج فارس سے گزر کر ایران کے ان مغربی علاقوں پر ختم ہوتا ہے جن میں تیل کے ذخیرے پائے جاتے ہیں۔ خیال رہے کہ ایران میں تیل اور گیس کے زبردست ذخائر پائے جاتے ہیں۔ اس کی ایک دلیل فرانسیسی کمپنی ٹوٹال کا وہ معاہدہ ہے جو اس نے ایرانی حکومت سے جنوبی ایران میں گیس کے ذخائر کے بارے میں کیا ہے اور جو یورپی امریکی کشمکش اور اختلافات کا سبب بنا ہے۔ شام میں یہ فوجی، سیاسی، اقتصادی نقشہ، جنوبی ترکی، شمالی عراق اور شمالی ایران سے شروع ہوتا ہے اور جنوب میں ان تیل اور گیس کے زبردست ذخائر کو اپنے آغوش لے کر الریاض کے آس پاس ختم ہوتا ہے۔

ہم پہلے دجلہ و فرات کے پانی کی تقسیم کے مسئلے کو لیتے ہیں:

ترکی، شام اور عراق میں دجلہ اور فرات کے پانی کی تقسیم کا مسئلہ بہت پرانا ہے۔ یہ دونوں دریا ترکی سے نکل کر شام اور عراق میں بہتے ہوئے شط العرب --- یعنی عراق اور ایران کی مشترکہ سرحد سے ہوتے ہوئے خلیج فارس میں گرتے ہیں۔ عرب ترکی عداوت کے بیج برطانیہ، فرانس اور دیگر یورپی ممالک نے بوئے تھے،

اس کا یہ زہریلا پھل صرف عربوں کو چبانا پڑ رہا ہے کیونکہ ترکی اس پانی، اس کی مقدار اور مختلف موسموں میں اتار چڑھاؤ کو ایک موثر اقتصادی اور سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔ حال ہی میں ترکی کے صدر سلمان دیمرل نے اعلان کیا کہ ترکی، پانی کو قابل خرید و فروخت تصور کرتا ہے اور اس کو معقول قیمت پر فروخت کرنے کو تیار بھی ہے۔ بالفاظ دیگر وہ شام اور عراق سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ تمھارے علاقوں میں جو تھوڑی بہت سرسبزی اور شادابی ان دونوں دریاؤں کے بہاؤ اور پانی کا نتیجہ ہے، میں اس کو ایک لق و دق صحرا میں بدلنے پر قادر ہوں۔ اس لیے تمھارے لیے یہی بہتر ہے کہ میری شرائط تسلیم کر کے رہو۔ اس طرح ترکی، امریکہ اور اسرائیل کے ساتھ گہرا تعاون کر کے شام اور عراق کے لیے فوجی خطرہ بن چکا ہے۔ بلکہ وہ دریائی پانی کو ایک سیاسی اور اقتصادی ہتھیار کے طور پر استعمال کر کے ان کی معیشت کو تباہ کرنا چاہتا ہے لیکن یہ کہانی یہیں ختم نہیں ہوتی۔ ترکی ایک نیم مردہ، کمزور اور ناتواں اور فوجی اور اقتصادی اعتبار سے دم توڑتے ہوئے عراق کے شمالی کردی علاقوں پر بار بار فوج کشی کر کے مسلسل یہ کوشش کر رہا ہے کہ شمالی عراق میں اسی طرح کی "فوجی پٹی" وجود میں لائی جا سکے جیسی کہ اسرائیل نے جنوبی لبنان میں بنالی ہے اور جس کے ذریعے وہ لبنان اور شام پر بے پناہ فوجی دباؤ ڈال رہا ہے اور مسلسل تباہی اور بربادی مچا رہا ہے۔

ستمبر ۱۹۹۷ کے آخری عشرے میں ترکی کے شمالی عراق پر فوجی یلغار کے نتیجے میں اس کی فوجیں ایک طرف شمال مغربی ایران کی سرحد تک پہنچ چکی ہیں اور دوسری طرف انھوں نے شام کی شمال مشرقی سرحد تک اپنا پھیلاؤ کر دیا ہے۔ اس طرح ترکی بھی اسرائیل کی طرح عراق، شام اور ایران پر فوجی دباؤ ڈال رہا ہے اور عراق میں اسرائیل کے طرز پر مسلسل تباہی کا سامان مہیا کر رہا ہے۔ اس فوجی یلغار کا ایک اور معقول سبب بھی ہو سکتا ہے اور وہ ہے ایرانی، شامی اور عراقی کردوں کو ان ترکی کردوں کے ساتھ فوجی اور غیر فوجی تعاون کرنے سے روکا جا سکے جو جنوبی ترکی میں ایک آزاد یا نیم آزاد کرد ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں۔

یہی وہ کرد مسئلہ یا کرد خطرہ ہے جو ۵۰ سال سے ایران، عراق، ترکی اور شام کے لیے مسلسل درد سر اور فوجی اور غیر فوجی اخراجات اور جنگ و جدل کا سبب بنا ہوا ہے اور جو اب ان جغرافیائی اور سیاسی تبدیلیوں کا ایک جزو بن چکا ہے جن کا نقشہ ہم نے اوپر بحر روم کے مشرقی ساحل سے شمال مغربی ایران اور جنوبی ترکی سے الریاض کے شمال میں واقع تیل اور گیس کے ذخائر تک کھینچا ہے۔

اس نئے نقشے کو بروئے کار لانے کا سبب یہ ہے کہ اسرائیل کی شمالی سرحد کا تعین، مقبوضہ جولان اور جنوبی لبنان سے انخلا کے بعد، ایک ناگزیر امر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اسرائیل ایک محدود علاقے میں بند ہو کر رہ جائے گا۔ جس میں "کوئی حقیقی اسٹرے ٹیجک گہرائی (strategic depth) نہیں پائی جائے گی۔ یہ صورت حال اس بات کی طالب ہے کہ اسرائیل کے اطراف میں پائی جانے والی ساری ریاستیں جن میں خود

ترکی بھی شامل ہے، وہ بھی فوجی اور معاشی اعتبارات سے اتنی کمزور ہو جائیں اور ان کے درمیان اتنی گہری عداوتیں پیدا کر دی جائیں کہ وہ اسرائیل کے خلاف متحدہ محاذ بنا کر خطرہ ثابت نہ ہو سکیں۔ کمزور اور لاغر لبنان، شام، ترکی، اردن، عراق اور ایران بھی--- رہا مصر تو اس کو سوڈان کے ساتھ اختلافات میں پھنسا دیا گیا ہے۔ اب اس کا حقیقی رخ یا تو اندرون ملک اسلام پسندوں سے مسلسل جنگ کرتے رہنا ہے یا بیرون ملک جنوب میں اسلام پسند سوڈان یا مغرب میں قوم پرست لیبیا کے خلاف مورچے سنبھالے رہنا ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر وہ اب اسرائیل کے لیے حقیقی خطرہ نہیں رہا ہے۔

اب کچھ نئے نقشے کے خدوخال کے بارے میں:

۱- ترکی، ایران، عراق اور شام کو ٹکڑے ٹکڑے اور کمزور کرنے کے لیے ان میں آباد کردوں کی ایک ریاست بنائی جائے گی جو ہر طرف سے دشمنوں میں گھر جانے کی وجہ سے عسکری اور اقتصادی لحاظ سے ناتواں ہو گی اور اسرائیل کے لیے ہرگز خطرہ نہ بن سکے گی۔

۲- ایران کے خطرے کو مزید کم کرنے کے لیے جنوبی عراق سے شاہی سرحد تک ایک نئی شیعہ اکثریت کی ریاست وجود میں لائی جائے گی جو الریاض کے شمال تک پھیلی ہوئی ہو گی اور جس کو ایران کے خلاف باقاعدہ استعمال کیا جائے گا۔ یہ حقیقت اس وارننگ کی شکل میں ظاہر ہوئی جو امریکہ نے ایران کو دی ہے کہ اگر ایرانی طیارے جنوبی عراقی زون میں پرواز کریں تو ان کو مار گرایا جائے گا۔ اس طرح جنوبی عراق اب امریکی حمایت اور حفاظت میں آگیا ہے۔ یہ ریاست تیل اور گیس کے ذخائر پر مشتمل ہو گی جن میں الحسا، الظہران، الکویت اور جنوبی عراق اور دیگر علاقوں کے تیل اور گیس کے ذخائر شامل ہوں گے۔ اس نئی ریاست پر یورپ، امریکہ اور جاپان اور دیگر جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں کا توانائی کی ضروریات کے لیے اعتماد ہو گا۔ کردی اور نئی ریاستوں کے درمیان ایک سنی عراقی ریاست بھی وجود پذیر ہو گی۔

یہ خلیجی جنگوں کا اور اسرائیلی فلسطینی سمجھوتے کا فطری اور منطقی نتیجہ ہے اور اس کے لیے آہستہ آہستہ راستے ہر طرف سے تیار کیے جا رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں ۱۰ یا ۲۰ برس بیت جائیں۔ غیب کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور وہی اس کائنات کا مالک اور حاکم بھی ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے (فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ)۔

ایک قدیم درس گاہ ☆☆☆ ایک مثالی تربیت گاہ

جامعہ سراج الھدیٰ میانوال

خصوصیات

☆ قدیم فنون اور مروجہ علوم کے علاوہ جدید عصری تعلیم ☆ دورہ حدیث شریف کے بعد منطق، فلسفہ جیسے فنون کی تکمیل ☆ اصول قراءت کے مطابق قرآن کریم کی تحفیظ ☆ قرآن مجید کی ناظرہ تعلیم بھی بمطابق قواعد تجوید و ترتیل ☆ درسی کتب کی فراہمی اور قیام و طعام کا بہترین انتظام ☆ معقول ماہانہ وظائف اور علاج معالجہ کا باقاعدہ نظام۔

ایک انقلابی قدم ثانیہ پاس طلبہ کے لیے صرف ۲ سال میں میٹرک اور رابعہ

شعبہ جات	مدت تعلیم	شرط داخلہ
۱- تحفیظ القرآن	۳ سال	امیدوار ناظرہ قرآن پڑھ سکتا ہو اور پرائمری پاس ہو یا مساوی قابلیت رکھتا ہو۔
۲- تجوید القرآن الحکیم	۲ سال	امیدوار حافظ قرآن ہو اور اردو لکھنا پڑھنا جانتا ہو۔
۳- مڈل کلاس	۳ سال	امیدوار پرائمری پاس ہو اور قرآن ناظرہ پڑھ سکتا ہو۔
۴- تجوید عامہ	۲ سال	امیدوار مڈل پاس ہو یا حافظ قرآن پرائمری پاس ہو یا اس کے مساوی قابلیت رکھتا ہو۔
۵- شعبہ خاصہ بمعہ میٹرک	۴ سال	امیدوار ثانیہ پاس ہو اور مڈل یا اس کے مساوی استعداد رکھتا ہو۔
۶- عالیہ بمعہ فاضل عربی	۴ سال	امیدوار رابعہ پاس ہو اور میٹرک بھی کر چکا ہو۔
۷- تکمیل	ایک سال	امیدوار دورہ حدیث کر چکا ہو۔

تاریخ داخلہ پہلا سیشن ۵ فروری تا ۱۲ فروری ۱۹۹۸ دوسرا سیشن ۲ اپریل تا ۱۲ اپریل ۱۹۹۸

المعلن: حافظ عبد الرزاق ناظم اعلیٰ جامعہ سراج الھدیٰ میانوال
تحصیل و ضلع منڈی بہاؤ الدین فون: 0456-598026

رسائل و مسائل

مقروض کی زکوٰۃ

میرے پاس رہائش کے لیے کشادہ اور آرام دہ مکان' مناسب فرنیچر اور دیگر گھریلو سامان کے علاوہ دو عمدہ کاریں بھی ہیں' فریج اور واشنگ مشین کا اچھا کاروبار بھی ہے اور بیوی کے پاس ۲۰' ۲۲ تولے سونے کا زیور بھی ہے مگر اس شان و شوکت کے لیے میں مقروض بھی ہوں اور کافی بڑا قرضہ ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اگر مالیت سے زیادہ رقم کا قرض ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ مسئلہ تو آپ ہی لوگ بتا سکتے ہیں لیکن دل میں کبھی کبھی کھٹک ہوتی ہے کہ زکوٰۃ دینا چاہیے۔ آپ یہاں کے حالات سے واقف ہیں' بتایئے مجھے کیا کرنا چاہیے؟

رہائش کے مکان' فرنیچر' گھر میں استعمال کے سامان اور استعمال کی کاروں پر زکوٰۃ نہیں ہے البتہ بیوی کے زیور پر زکوٰۃ ہے' بیوی کو اس کی فکر رکھنا چاہیے اور ہر سال پابندی سے زکوٰۃ ادا کرنا چاہیے۔ بیوی کی طرف سے آپ نے اگر ادائیگی کا ذمہ لے لیا ہے' تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ فریج اور واشنگ مشین وغیرہ کے نفع بخش کاروبار کا باقاعدگی سے ہر سال کا حساب بنایئے اور لازماً اہتمام کے ساتھ زکوٰۃ ادا کیجیے۔ جس مال سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اس مال میں اللہ تعالیٰ خیر و برکت دیتا ہے اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا سخت عذاب ہے۔

آپ کو جو یہ معلوم ہے کہ مقروض' قرضے کی رقم منہا کرنے کے بعد اگر صاحب نصاب رہتا ہے تب ہی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے' بالکل صحیح معلوم ہے' مگر آپ کے قرض کا معاملہ اتنا سادہ سا نہیں ہے۔

آپ انتہائی خوشحالی اور عیش و راحت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ کو دیکھ کر کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا کہ خدانخواستہ آپ مفلس ہیں اور زکوٰۃ دینے کے لائق نہیں ہیں۔ ماشاء اللہ عظیم الشان' کشادہ اور عیش و راحت کی سہولتوں سے آراستہ مکان بھی ہے' وسیع نفع بخش کاروبار بھی ہے' دو خوب صورت کاروں کے بھی آپ مالک ہیں اور بیوی کے پاس سونے کے زیورات بھی ہیں۔ ایک خوشحال انسان کے پاس جو کچھ ہو سکتا ہے' وہ سب کچھ نہایت فراوانی کے ساتھ آپ کے پاس ہے۔

البتہ یہ قابل افسوس امر ہے کہ آپ نے قرض لے رکھا ہے' اور بہت بڑا قرض لے رکھا ہے۔ لیکن یہ آپ بھی جانتے ہیں کہ آپ نے جو قرض لیا ہے' اس وجہ سے نہیں لیا ہے کہ آپ ضرورت مند ہیں اور

اپنی خستہ حالی اور معاشی پریشانی سے مجبور ہیں۔ آپ کی ضرورتیں تو قرض لیے بغیر بھی پوری ہو رہی ہیں' لیکن آپ معیار زندگی کو بلند سے بلند کرنے' اور خوشحال سے خوشحال تر بننے کے لیے قرض لیے ہوئے ہیں اور طویل المیعاد اس قدر قرضہ لیے ہوئے ہیں کہ فی الوقت جو مال و ملکیت آپ کے پاس ہے' اس سے قرض زائد ہے۔ یوں قرض کے ایک ایسے جال میں آپ نے خود کو پھنسا لیا ہے کہ زندگی بھر کے لیے آپ اس سے نجات نہ پا سکیں گے' البتہ عیش و عشرت کی خوشحال زندگی آپ گزارتے رہیں گے۔

ان حالات میں اگر کبھی کبھی آپ کو یہ کھٹک محسوس ہوتی ہے کہ آپ کو زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے تو اللہ کا شکر ادا کیجیے کہ آپ کے دل میں ایمان موجود ہے اور ضمیر زندہ ہے۔ آپ زکوٰۃ ادا کرتے رہیے' صدقہ و خیرات ادا کرنے کی عادت بھی رکھیے اور شب کی تاریکی میں اپنے رب سے گریہ و زاری بھی کرتے رہیے کہ وہ آپ کو اس غلط قرض کی مصیبت سے نجات دے دے' آپ چاہے اوسط درجے کی زندگی گزارتے رہیں لیکن قرض اور سود کی لعنت سے بچ جائیں۔

اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ آپ بنک سے قرض لے کر ہی خوشحالی اور عیش و آرام کی زندگی گزار سکتے ہیں ورنہ تنگی اور عسرت ہی میں زندگی گزرے گی تو آپ کی یہ سوچ قطعاً" غلط ہے۔ آدمی کی خوشحالی اور عسرت اللہ کی طرف سے ہے۔ اس کا دارومدار اللہ کے فیصلے پر ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ (العنکبوت ۲۹:۶۲)' "اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا اور جس کا چاہتا ہے' تنگ کر دیتا ہے"۔ رزق کی تنگی اور کشادگی کی بنیاد یہ نہیں ہے کہ آپ حلال ذریعہ اختیار کرتے ہیں یا حرام بلکہ تنگی اور فراخی کی بنیاد اللہ کی تقدیر ہے اور وہی جانتا ہے کہ کس کی تقدیر میں رزق کی کشادگی ہے' اور کس کی تقدیر میں رزق کی تنگی۔

البتہ آپ کے اختیار میں یہ ضرور ہے کہ آپ چاہیں تو حلال ذرائع سے روزی حاصل کریں یا حرام ذرائع سے۔ روزی کی تنگی اور کشادگی آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ اللہ نے آپ کے اختیار میں نہیں دیا ہے۔ یہ معاملہ اس نے صرف اپنے اختیار میں رکھا ہے البتہ یہ بات پورے طور پر آپ کے اختیار میں دے رکھی ہے کہ آپ اپنی مقدر روزی کو حاصل کرنے کے لیے حلال ذرائع بھی اختیار کر سکتے ہیں اور حرام ذرائع بھی۔ اسی اختیار میں آپ کی آزمائش ہے' حلال ذرائع اختیار کر کے آپ خدا کے وہ مطلوب بندے بنتے ہیں جس پر اللہ کی عنایات ہوتی ہیں' اور جس کو حیات طیبہ کی نعمت سے نوازا جاتا ہے اور حرام ذرائع اختیار کر کے آپ اللہ کی عنایت اور نظر کرم سے محروم ہو کر وہ زندگی گزارتے ہیں جو اللہ کو ناپسند ہے' اور یہ حیات خبیثہ ہے۔ اللہ آپ کو اس زندگی سے محفوظ رکھے اور حیات طیبہ سے نوازے۔

آپ یہ عزم مصمم کرلیں کہ حلال روزی ہی حاصل کریں گے اور حرام کے قریب بھی نہ پھٹکیں گے تو

ہرگز یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ کی روزی تنگ ہی رہے۔ اگر اللہ نے آپ کی تقدیر میں کشادگی اور خوشحالی رکھی ہے تو لازماً آپ کو خوشحالی ہی حاصل ہو گی۔ کوئی وجہ نہیں کہ آپ تنگ دست رہیں۔ اللہ پر بھروسہ رکھیں اور اس کے حکم کی تعمیل میں حلال روزی ہی کا اہتمام کریں۔ آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ وہاں سے آپ کی رزق رسانی کا بندوبست فرمائے گا، جہاں آپ کی نگاہ بھی نہیں پہنچتی۔ اللہ کا ارشاد ہے اور اس سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے:

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا - وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ - وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ - اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ - قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (الطلاق ۶۵:۲-۳) "جو شخص اللہ سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارے گا اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کی راہ پیدا فرما دے گا اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔ جو اللہ پر بھروسہ کرے گا اس کے لیے وہ کافی ہے۔ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے"۔

اللہ نے حق و باطل، حلال و حرام کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ جو شخص حق اور حلال پر ہی ہر حال میں عمل کرنے کا تہیہ کر لے گا وہی تو ہے جو تقویٰ کی زندگی گزار رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس تقویٰ کی برکت سے اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کی راہ پیدا فرما دے گا اور اس کی روزی رسانی ان ان راہوں سے کرے گا جہاں اس کا گمان بھی نہ پہنچے گا۔ حلال پر اکتفا کر کے اس کو رب پر بھروسہ کرنا چاہیے اور جو بھروسہ کرے گا وہ ہرگز مایوس نہ ہو گا، اللہ اس کے لیے کافی ہو گا، اس لیے کہ اللہ جب کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس فیصلے کے نفاذ میں آڑے نہیں آ سکتی۔

آپ کا یہ سوچنا کہ سود کی بنیاد پر تعمیر ہونے والی اس ملک کی معیشت میں سودی رقم لے کر ہی آپ آرام و راحت کی زندگی گزار سکتے ہیں، اور قرض پر قرض لے کر داو عیش دیتے رہنے ہی میں فراخی اور خوشحالی ہے، تو آپ کی سوچ غلط ہے۔ حرام سے خود کو بچایئے اور طے کیجیے کہ حلال طریقے سے ہی اپنے حالات کو سدھاریں گے تو اللہ کا آپ سے وعدہ ہے کہ وہ آپ کے لیے کافی ہے اور اللہ سے زیادہ اپنے وعدے میں کون سچا ہو سکتا ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ مقروض کو اپنا پورا قرضہ اپنے مال میں منہا کرنے کے بعد ہی زکوٰۃ ادا کرنی ہے۔ اگر قرض منہا کرنے کے بعد بھی وہ صاحب نصاب باقی رہے۔ لیکن آپ نے خود کو مثالی خوش حال بنانے کے لیے اتنا کچھ لے رکھا ہے کہ اگر اس کا حساب کریں گے تو آپ کبھی شاید صاحب نصاب نہ رہیں۔ جب اس سہولت سے قرض مل سکتا ہو تو آپ اس مکان اور اس فرنیچر اور ان کاروں پر اکتفا کریں گے، خوب سے خوب تر کی طرف آپ کی حرص و ہوس آپ کو دھکیلتی رہے گی اور شاید حساب کی رو سے کبھی آپ صاحب نصاب قرار نہ پائیں لیکن آپ انتہائی خوشحالی اور کشادگی کی زندگی

گزارتے رہیں گے۔ آپ کا معاملہ اس مقروض سے مختلف ہے جو مجبوراً قرض لیتا ہے اور وہ واقعی ترس کھانے کے قابل ہوتا ہے۔ آپ مجبوراً قرض نہیں لے رہے ہیں بلکہ معیار زیست کو بلند کرنے کے لیے قرض لے رہے ہیں اور کچھ ایسے انداز سے زندگی کو ترتیب دے رہے ہیں کہ آپ کے ٹھاٹ باٹ بھی برقرار رہیں اور قرض بھی ادا ہوتا رہے۔ اس لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ اگر اللہ نے آپ کے اس شعور کو بیدار رکھا ہے کہ آپ کو زکوٰۃ کی فکر ہے تو آپ دیتے رہیے اور رب سے دعا کرتے رہیے کہ پروردگار مجھے اس غلط فکر اور تباہ کن عمل سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ممکن ہے نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کی برکت سے اللہ تعالیٰ آپ کو اس معاشی عذاب سے بھی بچا لے۔ جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، اور اس کے حکم کے مطابق تقویٰ کی زندگی گزارنے کا حتمی فیصلہ کر لیتا ہے، اللہ اس کے لیے کافی ہوتا ہے اور اللہ جس کی مدد پر ہو، اس کو کبھی ناکامی نہیں ہوتی۔ (محمد یوسف اصلاحی)

جہیز کا وراثت سے تعلق

ہماری اولاد تین بچیوں اور ایک بیٹے پر مشتمل ہے۔ میں ایک بیٹی کی شادی کر چکی ہوں اور دوسری کی تین ماہ بعد ان شاء اللہ ہو رہی ہے۔ میں اپنی بچیوں کو جو کچھ بھی دے رہی ہوں یہ بات ذہن میں رکھ کر دے رہی ہوں کہ میرے بیٹے کے ساتھ جایداد کے لیے کوئی نہ جھگڑے۔ اس موقع پر زیور اور گھر کے تمام سامان کے روپ میں بیٹی کا قانونی حق دے دوں، مگر کچھ لوگ کہہ رہے ہیں کہ شادی کے موقع پر جہیز الگ چیز ہے اور جایداد کا حصہ الگ چیز ہے جبکہ ہماری اتنی طاقت تو نہیں کہ شادی پہ الگ دوں اور جایداد کا حصہ الگ۔ اس معاملے میں آپ سے مشورہ درکار ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنی بیٹی کی شادی کے موقع پر جو سامان دوں وہ "جہیز" کے نام پر نہ ہو بلکہ اس کا "قانونی حق" کر کے ادا کروں۔

جہیز کا تعلق وراثت سے نہیں ہے، نہ ہی یہ ایسا حق ہے جو ماں باپ کے مال میں حق وراثت کو ختم کرتا ہے۔ یہ بیٹی کا ایک اضافی اور مستقل حق ہے کہ جب وہ آپ کے گھر سے رخصت ہوتی ہے تو آپ کو چاہیے کہ کچھ ہدیوں اور تحفوں کے ساتھ (حسب توفیق) اسے رخصت کریں۔ آپ اپنے مالی حالات اور بچی کی حقیقی ضروریات کو سامنے رکھ کر ایک مناسب فہرست بنالیں اور پھر یہ دے کر اسے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کر دیجیے۔ جو کچھ دیں وہ اس تصور کے ساتھ دیں کہ یہ بیٹی کا اس موقع پر حق تھا، یہ حق تمام بیٹیوں اور بیٹوں کو ملے گا۔ آپ کا ایک بیٹا ہے تو اس کی شادی کے موقع پر اسے بھی حسب استطاعت یہ حق ملے گا۔ یہ ایک استثنائی حق ہے جو ہر ایک کے لیے ہے۔ اس کے بعد دیگر مواقع کے حقوق قائم رہیں گے۔ اس بنیاد پر کسی کو وراثت سے محروم نہیں کیا جاسکے گا کہ اسے شادی کے موقع پر بہت کچھ دے دیا گیا تھا۔ شادی کے موقع پر دیا جانے والا حساب و کتاب میں نہیں آئے گا۔ زندگی میں کوئی اور موقع ایسا آجائے

جس میں اولاد کو بطور خاص کچھ عطیات دیتے ہوں تو ان میں بھی اسی پہلو کو مد نظر رکھنا ہو گا کہ استطاعت ہو تو سب کو مساوی عطیات دیے جائیں اور ہر ایک کی حاجت اور ضرورت کو ملحوظ رکھا جائے۔ اگر کسی بیٹی کو جہیز دیا گیا تھا لیکن بعد میں اسے کوئی ضرورت درپیش ہو تو پھر بھی اس کی حاجت کا خیال رکھا جائے۔

اسی اصول کو پیش نظر رکھ کر آپ اس وقت جہیز دیں اور یہ سمجھ لیجیے کہ اس وقت بہت زیادہ جہیز اس نیت سے دیا گیا کہ بعد میں بیٹے کے ساتھ کوئی قانونی جھگڑا نہ رہے تو ایسا صحیح نہ ہو گا کیونکہ جملہ قانونی اور اخلاقی حقوق باقی رہیں گے۔ واللہ اعلم! (مولانا عبدالمالک)

نکاح سے محروم لڑکی کا اجر

کیا وہ لڑکی بھی کسی اجر کی مستحق ہے جس کی شادی نہ ہوئی ہو اور وہ اپنے اہل خانہ (جن میں بھائی، بھابھیاں اور ان کے بچے یا شادی شدہ بہنیں اور ان کے بچے ہوں) کے ساتھ رہتی ہو، ان کے دکھ درد بانٹتی ہو اور گھر والوں کے حقوق پورے کرتی ہو۔ والدین کی خدمت تو اس کی سعادت ہے، اس لیے میں نے ان کا ذکر اہل خانہ میں نہیں کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ دینی تقاضے پورے کرنے کی فکر کرتی ہو اور حیا کی جو حدود اللہ اور اس کے رسولؐ نے بتائی ہیں، ان کا اہتمام کرتی ہو۔

میں آپ سے یہ اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ بیٹی کے حقوق ادا کرنے پر سرپرستوں کو ملنے والا اجر قرآن و حدیث میں پایا، بحیثیت بیوی کے عورت کے حقوق اور نیک سیرت بیوی کو ملنے والے اجر کا بیان بھی پڑھا، اور وہ بیوہ عورت جو اپنے بچوں کی پرورش کے متاثر ہونے کے ڈر سے شادی نہیں کرتی اور پاک دامنی کے ساتھ زندگی گزارتی ہے، اس کا اجر بھی وضاحت سے پایا، لیکن ایک غیر شادی شدہ لڑکی کو جس میں اوپر بیان کردہ صفات کسی درجے میں پائی جاتی ہوں، اس کو بھی کسی اجر کی نوید سنائی گئی ہے یا نہیں۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لڑکیوں کی یہ قسم نہیں پائی جاتی تھی؟

ایسی لڑکیاں دنیا داروں اور "دین داروں" کی طرف سے بھی محض اپنے خوش شکل نہ ہونے کے باعث مسلسل رد کی جاتی ہیں۔ اس وجہ سے ایک کرب میں مبتلا رہتی ہیں۔ اس صبر پر ملنے والے اجر کا اگر علم ہو جائے تو شاید اس اذیت میں کچھ کمی ہو جائے۔ شادی کا ہونا یا نہ ہونا تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ لیکن اس پورے عمل میں کہ ایک لڑکی کو دیکھا جائے اور اس کی عادات و اطوار اور دینی حالت کو ثانوی حیثیت دیتے ہوئے محض شکل و صورت کے معیار پر پرکھ کر رد کر دیا جائے--- تو وہ شدید اذیت سے دوچار ہوتی ہے۔ کیا اس لڑکی کو اپنے صبر پر کوئی اجر ملتا ہو گا؟"

قرآن پاک اور احادیث شریفہ میں کثرت سے اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایک ذرہ

برابر نیکی اور ذرہ برابر برائی کو نظرانداز نہیں فرمائیں گے (الزلزال ۹۹: ۶-۸)۔ اللہ تعالیٰ کی صفت عدل و احسان ان کی صفت توحید کے بعد غالباً سب سے زیادہ اہم صفت کہی جا سکتی ہے۔ نہ صرف اس دنیا میں بلکہ آخرت میں وہ اپنے بندوں کے ساتھ عدل اور احسان کا رویہ اختیار فرماتے ہیں۔ اس لیے ایسے افراد کے حوالے سے بھی جو اہل کتاب میں سے ہوں اور عمل صالح کر رہے ہیں، عدل کے تقاضے کے پیش نظر یہ نہیں فرمایا گیا کہ چونکہ وہ اہل کتاب ہیں، ان کا عمل صالح یا عمل خیر ضائع ہو جائے۔ گو نجات کے لیے اسلام لانے کو شرط قرار دے دیا گیا ہے۔ (البقرہ ۲: ۶۲)۔

اس بنیادی اصول کی روشنی میں اگر نیک اور پاک دامن لڑکی کسی بنا پر رشتہ ازدواج میں منسلک نہیں ہو سکی لیکن وہ اپنے والدین اور اہل خانہ کے ساتھ بھلائی، محبت، خدمت کا رویہ اختیار کرتی ہے تو عدل و انصاف کا تقاضا ہے کہ اس کا یہ عمل خیر بجائے خود ضائع نہ ہو اور اسے اس کا مناسب اجر ملے۔ آپ نے خود بھی اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مثلاً ایک بیوہ اگر پاک دامنی برقرار رکھتے ہوئے محض اس خیال سے نکاح نہیں کرتی کہ اس کے بچوں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کی پرورش صحیح طور پر نہ ہو سکے گی تو وہ اپنے اس صبر کا اجر پائے گی۔

لیکن آپ کے سوال کا دوسرا پہلو میری نگاہ میں زیادہ اہم ہے، یعنی کیا ایک غیر شادی شدہ لڑکی کو جب وہ خود شادی کرنے کے لیے آمادہ ہو لیکن اس کی شکل و صورت، مالی حالت، معاشرتی مقام یا کسی اور سبب سے شادی کے لیے پسند نہ کیا جائے، تو کیا پھر بھی وہ اس حدیث کی تعریف میں آئے گی جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: النکاح سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی"۔

اسلام میں ہر عمل کی بنیاد دو چیزوں پر ہے، نیت اور اختیار وسعت یا استطاعت۔ اگر ایک فرد کی نیت حج کی ہے اور دوران سفر انتقال کر جائے تو گو اس فرد نے عملاً حج نہیں کیا، قرآن کی روشنی میں اس کا حج قبول کر لیا جائے گا۔ ایسے ہی اگر ایک شخص کو ایک کام کی طاقت، استطاعت، وسعت یا اختیار نہ ہو تو اس پر مسئولیت بھی نہیں ہوتی۔ "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" (البقرہ ۲: ۲۸۶)۔ اسلامی تعلیمات کتنی سادہ، سیدھی، آسان اور عملی ہیں۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ نکاح جیسی سنت، جس کی اسلام کے نظام حیات میں مرکزی اہمیت ہے، سے جان بوجھ کر اپنے آپ کو روکنا اور نکاح کی خواہش کے باوجود نکاح نہ ہو پانا دو مختلف کیفیات ہیں۔ موخر الذکر صورت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے اس بات کی امید اور دعا کرنی چاہیے کہ وہ اس کا بہترین اجر اس دنیا اور آخرت میں عطا فرمائیں۔

"دنیا داروں" کی طرف سے محض شکل و صورت یا رنگ کی بنا پر ایک صالح لڑکی کو شادی کے لیے قبول نہ کرنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن "دین دار" افراد کی جانب سے ایسا عمل سخت تکلیف کا باعث ہے۔ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاشبہ شادی کے حوالے سے جن خصوصیات کا ذکر فرمایا ہے، اس میں حسن، دولت، خاندان کا ذکر بھی ہے لیکن اس حیثیت سے نہیں کہ اس کو اولیت دی جائے بلکہ اس حیثیت سے کہ ان سب سے بڑھ کر صالحیت اور تقویٰ وہ خصوصیت ہے جو فی الاصل شادی کے لیے بنیاد ہونی چاہیے۔ اس لیے "دین داروں" کا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے باوجود محض شکل و صورت کی بنا پر کسی کو پسند نہ کرنا اور اسلامی شخصیت و کردار کو ثانوی حیثیت دینا سنت کی روح کے بالکل منافی ہے۔ ایسی لڑکیوں کا صبر و استقامت کرنا اور اپنے آپ کو پاک دامن رکھنا ایک نوعیت کا جہاد ہے جس پر اجر کی پوری امید رکھنی چاہیے، ان شاء اللہ۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مادہ پرستی کے اس دور میں ہم نے نہ صرف قرآن و سنت کی واضح تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا ہے بلکہ ان آفاقی اسلامی اقدار کو بھی بھلا دیا ہے جو صالحیت اور کردار و عمل کو ترجیح دینا سکھاتی ہیں۔ ہمیں خود احتسابی کرتے ہوئے روح اسلام کو تازہ کرنے کے لیے سماجی جہاد کے ذریعے ان فرسودہ روایات کی اصلاح کرنی ہوگی تاکہ ان صالح لڑکیوں کو ذہنی تکلیف سے بچایا جاسکے جو محض سماجی روایات کی بنا پر نکاح کی سنت سے محروم کر دی جاتی ہیں۔ (ڈاکٹر انیس احمد)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

"اس شوہر پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے جو رات میں اٹھے، نماز پڑھے، اور اپنی بیوی کو جگائے اور وہ نہ جاگے تو اس کے منہ پر پانی چھڑک دے۔ اور اس بیوی پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے جو رات میں اٹھے، نماز پڑھے اور اپنے شوہر کو جگائے اور وہ نہ جاگے تو اس کے منہ پر پانی چھڑک دے"۔ (ابوداؤد)

63

کتاب نما

پاکستان کیوں ٹوٹا؟ ' ڈاکٹر صفدر محمود۔ ناشر: جنگ پبلشرز' لاہور۔ صفحات: ۳۰۳۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔

سقوط ڈھاکہ نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام کی تاریخ کا ایک المناک سانحہ ہے۔ لیکن اس سے زیادہ المناک بات یہ ہے کہ ہم نے اس سانحے سے کوئی سبق نہیں سیکھا' بلکہ اسے فراموش ہی کر دیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:۔

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں

کیا ہم اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ اپنا ایک بازو علیحدہ ہو جانے کے بعد ہم نے اپنی زندگی اور اپنی تقدیر کو بدلنے کے لیے کچھ کیا ہے؟ کچھ سوچا ہے؟ ہماری سوچ اپنے اقتدار کی کرسی مضبوط سے مضبوط تر کرنے تک ہی محدود ہے۔ ہماری عملی سرگرمیاں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے اور دھونس جمانے اور حیلہ و زور اور مکر و فن سے اقتدار کے ایوانوں تک پہنچنے سے شروع ہوتی ہیں اور لوٹ مار سے جمع کی ہوئی دولت غیر ملکی بنکوں میں جمع کرنے پر ختم ہو جاتی ہیں۔ کیا یہی زندگی کی علامت ہے؟

مشرقی پاکستان کی علیحدگی' پاکستان کی تاریخ کا جتنا بڑا واقعہ ہے اس کے بارے میں اتنا ہی کم سوچا اور لکھا گیا ہے۔ ہمارا رویہ آنکھیں بند کر لینے والے روایتی کبوتر کا سا ہے۔ ہمارے مصنفین' دانشور' تجزیہ نگار' صحافی اور پروفیسروں کی ترجیحات دیگر ہیں۔ تاریخ پاکستان کے اس المناک باب پر غیر ممالک میں (خواہ ان کے اپنے اپنے نقطہ نظر ہی سے سہی) جتنا کچھ لکھا ہے اور جتنی کتابیں چھپی ہیں' اندرون ملک شاید اس کا دسواں حصہ بھی تیار نہیں ہوا۔ اس مایوس کن صورت حال میں ڈاکٹر صفدر محمود کی یہ کتاب بساغنیمت ہے۔ اصلاً یہ انگریزی میں تحریر کی گئی تھی' ۱۹۹۰ میں اس کا زیر نظر اردو ترجمہ پہلی بار شائع ہوا تھا۔ اب یہ دوسری مرتبہ چھپی ہے۔ ڈاکٹر صفدر محمود نے پیش نظر موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے جذباتی یا جانب دارانہ انداز نہیں اپنایا بلکہ ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ حقائق و واقعات کی روشنی میں اس سانحے کی گرہیں کھولنے کی کوشش کی ہے۔

ڈاکٹر صفدر محمود بتاتے ہیں کہ علیحدگی کے عمل کا آغاز قیام پاکستان کے چند ماہ بعد ہی ہو گیا تھا۔ شیخ مجیب

الرحمٰن نے متعدد بار اعتراف کیا کہ وہ ۱۹۴۸ ہی سے بنگلہ دیش کی آزادی کے لیے کام کر رہے تھے۔ اس "کام" میں گوناگوں عوامل و اسباب نے علیحدگی پسندوں کی مدد کی۔ ان میں برسراقتدار طبقے کی غلط اور احمقانہ سیاسی اور معاشی پالیسیاں، ہندوؤں کی منصوبہ بندی، کیمونسٹوں کی تخریبی سرگرمیاں، فوج کی خلاف حکمت کارروائیاں اور آخر میں بھارت کی براہ راست اور جارحانہ مداخلت شامل ہے۔ مصنف نے جملہ پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ڈاکٹر صفدر محمود نے باب ۷ میں علیحدگی کے عمل میں غیر ملکی عالمی طاقتوں کے کردار پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

مارچ ۱۹۷۱ کی فوجی کارروائی علیحدگی کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی (اس کارروائی پر ذوالفقار علی بھٹو نے کہا تھا: "شکر ہے پاکستان بچ گیا") ڈاکٹر صفدر محمود لکھتے ہیں: "بعد کے واقعات سے ثابت ہو گیا کہ مشرقی پاکستان میں فوجی اقدام دراصل پاکستان کے خاتمے کا اعلان تھا" (ص ۱۱۴)۔

محنت اور تحقیق سے لکھی گئی اس کتاب میں حوالوں اور شواہد کے ساتھ مسئلے کا معروضی اور حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا گیا ہے۔ جس سے سانحے کے حقیقی محرکات سامنے آتے ہیں اور اس ڈرامے کے جملہ کردار بھی بڑی حد تک بے نقاب ہوتے ہیں۔ کتاب کے آخر میں تین ضمیمے شامل ہیں:- (۱) ۶ نکات کا متن، (۲) راؤ فرمان علی کا انٹرویو (یہ چشم دید حالات و واقعات لائق مطالعہ ہیں)، (۳) ۱۹۴۷ سے ۱۹۷۱ تک پاکستان کی مرکزی وزارتوں کی تفصیل۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی پاکستان کو "برابری" کی بنیاد پر اقتدار میں شریک نہیں کیا گیا۔ کتاب کے آخر میں اشاریہ اشخاص بھی شامل ہے۔

پاکستان کی موجودہ صورت حال خود احتسابی سے مجرمانہ غفلت کا نتیجہ ہے۔ ڈاکٹر صفدر محمود کی زیر نظر قابل قدر کاوش میں ہمیں آئینہ دکھلایا گیا ہے اور اقبالؒ کے الفاظ میں یہ کتاب ہمیں "ہر زماں اپنے عمل کا حساب" کرنے کی دعوت دیتی ہے کہ قوموں کی زندگی اور بقا خود احتسابی کے بغیر ممکن نہیں۔ کتابت، طباعت اور مجموعی پیش کش بہت عمدہ ہے۔ (رفیع الدین ہاشمی)

تاریخ جہاد افغانستان، ڈاکٹر ایچ بی خان۔ ناشر: الحمد اکادمی، ۲ ج، ۱۸ ناظم آباد، کراچی، ۷۴۶۰۰۔ بڑی تقطیع کے صفحات: ۳۹۶۔ قیمت: ۲۵۰ روپے۔

زیر نظر کتاب افغانستان کے حالیہ جہاد کی واقعاتی تاریخ ہے جو ملک پر اشتراکی عناصر کے تسلط، اور پھر دسمبر ۱۹۷۹ میں وہاں روسی فوجوں کی یلغار کے نتیجے میں شروع ہوا۔ ابتدا میں کچھ جغرافیائی معلومات ہیں، پھر قبائلی اور نسلی گروہوں کی تعداد و روایات کا ذکر ہے، اس کے بعد تاریخی پس منظر دیا گیا ہے۔

مسلمان ساتویں صدی عیسوی صوبہ ہلمند میں پہنچے (غالباً دور فاروقیؓ میں) اور نویں صدی میں کابل ان

کے زیر نگیں آیا۔ اس طرح بطور پس منظر مصنف نے جہاد افغانستان سے ماقبل کی سیاسی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اس ضمن میں انھوں نے مختلف بادشاہوں کے ادوار حکومت، خانہ جنگیوں، اندرونی بغاوتوں، لڑائیوں، انقلابات اور بیرونی طاقتوں خصوصاً روس اور برطانیہ کی مختلف النوع مداخلتوں اور سازشوں کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔ کتاب کا دوسرا (نصف سے زائد) حصہ اپریل ۱۹۷۸ میں داؤد حکومت کے خاتمے سے مئی ۱۹۸۸ میں معاہدہ جنیوا تک کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے۔ اس کے ساتھ مولف نے افغانوں کے مزاج، نفسیات، دین داری اور مذہب سے غیر معمولی وابستگی، غیرت و حمیت، جرات و بہادری، مزاحمتی افتاد طبع اور جنگ جویانہ کردار پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ذرائع مواصلات، معیشت و زراعت، معدنیات اور تعلیمی صورت حال کا بھی مختصر ذکر ملتا ہے۔ اس طرح زیر نظر کتاب میں افغانستان خصوصاً جہادی سرگرمیوں سے متعلق ہمہ پہلو معلومات جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حصہ دوم کا باب ۱۱، جہاد افغانستان سے متعلق واقعات کی تواریخ (Chronology) پر مشتمل ہے۔

کتاب پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ بعض حصوں کی خاطر خواہ ترتیب و تسوید نہیں ہو سکی مثلاً ص ۵۱ پر "افغانستان میں معدنی وسائل" کا ذکر ہے۔ تین صفحات بعد پھر اسی عنوان سے کچھ مزید باتیں درج کی گئی ہیں۔ اسی طرح ایک جگہ بتایا گیا ہے کہ جنیوا میں معاہدہ روبہ عمل آچکا ہے۔ مگر دوسری جگہ یہ ذکر آتا ہے کہ پاکستان کے کیمونسٹ دانشور، جنیوا مذاکرات پر زور دے رہے ہیں--- وغیرہ۔ ص ۳۸۹ پر شکر گڑھ کے سید صادق حسین شاہ کا ایک معروف شعر (تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب) غلط طور پر علامہ اقبال سے منسوب کیا گیا ہے۔ مزید برآں شعر کا آغاز اس طرح کیا گیا ہے: "بادی تند مخالف"--- جو درست نہیں۔ ڈاکٹر ایچ بی خان معروف مصنف، مورخ اور محقق ہیں۔ انھوں نے اپنی دوسری تصانیف کی طرح زیر نظر تالیف میں بھی نہایت عرق ریزی اور محنت سے متعلقہ مواد (لوازمہ) جمع کیا ہے۔ توقع ہے یہ قابل قدر کاوش، افغانستان کے موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے استفادے اور رہنمائی کا باعث ہو گی۔ (ر-ہ)

بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش، مرزا محمد الیاس۔ ناشر: حرا پبلی کیشنز، ۲/۱۴ فضل الٰہی مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۳۲۸۔ قیمت: ۹۶ روپے۔

اس کتاب میں وہ الزامات زیر بحث ہیں جو "مغرب" نے مسلمانوں، خصوصاً عصر حاضر کی تحاریک اسلامی پر لگائے ہیں۔ بیسویں صدی کے آغاز تک یورپ یہ کہتا رہا کہ "اسلام اپنے پیروؤں کو خون ریزی کی تعلیم دیتا ہے"۔ اب الفاظ بدل کر "بنیاد پرست" کہہ کر مغرب اسی الزام کو دہرا رہا ہے۔ یہ ترکیب کارگر ثابت ہوئی ہے۔ آج بہت سے اسلام پسند خود کو بنیاد پرست کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ وہ یہ جاننے کی کوشش

نہیں کرتے کہ اس اصطلاح سے مراد کیا ہے؟ یہ مسلمانوں کی سادہ لوحی ہے۔ امت مسلمہ بحیثیت مجموعی اپنے حالات پر تجزیاتی نگاہ ڈالنے کے قابل بھی نہیں۔ عالم اسلام میں جدید علوم سے ابھی تک دوری موجود ہے۔ مصنف ایک جگہ دینی احیا یا سیاسی انقلاب کی شاہراہ کا جائزہ لیتے ہوئے کہتے ہیں: "شاید اسلامی نظام کو نافذ کرنے کا آسان راستہ یہ ہے کہ ہم اقتدار پر قابض ہو جائیں (پھر) لوگوں کی تربیت کریں (حالانکہ) تاریخ نے کسی ایسے انقلاب کا حوالہ نہیں دیا ہے جو اقتدار کے ذریعے آیا ہو۔ ہر انقلاب، تعلیم اور اخلاقی قدروں کی اعلیٰ تربیت کے ذریعے ہی آیا ہے۔ دوسری طرف یہ سوال ابھرتا ہے کہ اسلامی نظام کے قیام کے لیے اقتدار اور اختیار کہاں سے آئے گا؟" (ص ۱۰۸)۔ ان حوالوں سے تحاریک اسلامی میں جو کمزوریاں پائی جاتی ہیں (ہمارے خیال میں) اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم انسانی تاریخ اور اس کے مختلف سماجی عوامل سے مناسب طور پر آگاہ نہیں ہیں۔ تحاریک اسلامی جن معاشروں کا حصہ ہیں، ان کا عقلی اور تمدنی معیار زوال کا شکار ہے۔

"بنیاد پرستی" کے بارے میں مصنف تین باتیں کہنا چاہتے ہیں: ۱۔ تحاریک اسلامی کو خود کو "بنیاد پرست" نہیں کہلوانا چاہیے، ۲۔ بنیاد پرستی ایک الزام ہے اور اس کی وجہ غلط فہمی ہے یا سازش، ۳۔ جلد بازی، کوتاہ نظری، بے اخلاقی، بے عقلی اور جذباتیت پر مشتمل ہمارے کچھ رویے ہیں جو مسلمانوں پر بنیاد پرستی کا الزام لگانے والوں کو بہانہ مہیا کرتے ہیں۔ پہلے باب میں مصنف بتاتے ہیں کہ آج کی دنیا میں بنیاد پرستی کا عموماً یہ مفہوم لیا جاتا ہے: "قدامت پرستی، حد سے بڑھی جذباتیت، ترقی دشمنی، عدم برداشت اور تشدد پروری وغیرہ"۔ مزید یہ کہ سب سے پہلے یہ اصطلاح ایک قدامت پرست، عقل دشمن اور حرف پرست عیسائی فرقے کے لیے استعمال کی گئی تھی۔

اسلام پر لگائے جانے والے قدامت پرستی کے الزام کے جواب میں مصنف کی دوسری بات کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام تمدنی ترقی اور ارتقا کا مخالف نہیں البتہ کم فہم مسلمانوں کا رویہ اس بارے میں کچھ غلط فہمیاں پیدا کر سکتا ہے۔ مگر دیکھیے کہ: "یورپ نے سوڈان کی موجودہ حکومت کو بنیاد پرست کہہ کر مسترد کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ ایسا نہ کر سکا کیونکہ یہ ترقی کی دشمن نہیں" (ص ۵۳)۔ کتاب کے پانچویں اور چھٹے باب کا بنیادی خیال یہ ہے کہ ہم چودہ سو سال واپس جانا نہیں چاہتے، ہم ترقی کرنا چاہتے ہیں مگر اپنے انداز سے۔ ہماری تہذیب منفرد ہے اور (ہمارا تمدن جس بھی مرحلے میں ہو) ہماری تہذیب سیکولر مغربی تہذیب سے برتر ہے۔ مصنف کی اس دلیل کی تائید میں یہ اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ تحاریک اسلامی، تمدن کو تاراج کرنے والے وحشی قبائل اور منگولوں کی طرح تمدن دشمن قوتیں نہیں، صرف ترقی کے اس انداز کی مخالف ہیں، جس میں امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا چلا جائے۔

کتاب کے دوسرے نصف کا مرکزی خیال یہ ہے کہ مغرب دراصل خود ان خرابیوں میں مبتلا ہے، جن کا

الزام وہ دوسروں کو دیتا ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ مغرب مذہب کی عطا کردہ اخلاقی راہنمائی سے محروم ہو کر معاشرتی و اخلاقی تباہی اور نسل پرستی کے امراض میں مبتلا ہے اور دنیا میں زیادہ تر تشدد نسل پرستی کے باعث ہوا ہے' مذہب کے باعث نہیں۔ مغرب انسانی حقوق کے حوالے سے ہمیں مطعون کرتا ہے' مگر خود مغرب میں انسانیت ختم ہو چکی ہے اور انسانیت کے لیے نظریہ ارتقا جیسے توہین آمیز نظریات کا رواج ہے۔ آخری باب میں دہشت گردی کے الزام کی تفصیلات ہیں اور جواب میں بتایا گیا ہے کہ خود مغربی معاشروں میں تشدد کس حد تک رواج پا چکا ہے اور یہ بھی کہ غیر مسلموں نے اس دور میں مسلمانوں پر کتنے وحشیانہ مظالم ڈھائے ہیں۔

ہر باب کے آخر میں حوالہ جات کا اہتمام مصنف کے وسیع مطالعے کو ظاہر کرتا ہے مگر موضوع کی بار بار اور اچانک تبدیلیاں قاری کو پریشان رکھتی ہیں۔ اقتباسات اور تراجم کی کثرت سے بعض اوقات یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ مصنف کس بات کو تائید کرتے ہوئے نقل کر رہے ہیں' کہاں مخالفین کے الزامات کا بیان ہے اور کون سے خیالات مصنف کے اپنے ہیں۔ (ڈاکٹر بلال مسعود)

Colonialization of Islam' جمال ملک۔ ناشر: وین گارڈ بکس (پرائیویٹ) لمیٹڈ' دی مال' لاہور۔ صفحات: ۳۵۹۔ قیمت: درج نہیں

اسلام میں کسی ایسی پاپائیت (clergy) کی گنجایش نہیں ہے جو خدا اور بندے کے درمیان واسطے اور رابطے کا کام کرے مگر حصول علم' خصوصاً علوم دینیہ میں کمال حاصل کرنا بڑے مقام و مرتبے کی بات ہے۔ گئے گزرے زمانے میں بھی دینی مدارس' علما' مشائخ اور فقہا' اسلام کے پیغام کو پھیلا رہے ہیں۔ علوم دینیہ کے مدارس میں جدید علوم والسنہ سے بے نیازی یا اپنے اپنے فقہی مسلک سے دیوانگی کی حد تک اندھی وابستگی کے رجحانات اصلاح طلب ہیں۔ اس طرح ان کے نصاب میں بھی حذف و اضافے کی ضرورت ہے۔

مغرب کے تحقیقی ادارے عام طور پر مسلمانوں کے مختلف اداروں پر مطالعہ و تحقیق کے بعد یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ تو دور قدیم کی یادگار ہیں اور ان کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہے۔ زیر نظر کتاب کا موضوع تحقیق' پاکستان کے دینی تعلیمی ادارے ہیں۔ یہ بحث بھی کی گئی ہے کہ امت مسلمہ کے زوال کی وجہ کیا ہے اور رفتار زوال کیا ہے؟ دیوبندی بریلوی اختلافات کیا ہیں؟ پھر ان دونوں کی جانب سے ایک دوسرے کی تکفیر اور تسخیر کے لیے تیار کردہ لٹریچر کیسا ہے؟ گروہی اختلاف سے جو افتراق پیدا ہوتا ہے' اسے اعداد و شمار اور چند گوشواروں سے واضح کیا گیا ہے۔ پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل جو جو کام نہ کر سکی' ان کا جائزہ لیا گیا ہے۔ انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی اسلام آباد نے علوم جدید و قدیم کو ملا کر جو آمیزہ و

مرکب بنایا ہے اس پر رائے دی گئی ہے۔ اصلاً یہ ایک تحقیقی مقالہ ہے جو جناب جمال ملک نے ہائیڈل برگ یونی ورسٹی کے ساؤتھ ایشیا انسٹی ٹیوٹ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے تحریر کیا تھا۔ وہ آج کل بون یونی ورسٹی، جرمنی کے اورینٹل انسٹی ٹیوٹ میں ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں۔ پاکستان کے دینی تعلیمی اداروں میں نفاذ اسلام کے لیے صدر جنرل محمد ضیا الحق کے اقدامات، اسلامی نظریاتی کونسل، جماعت اسلامی، دیگر مذہبی جماعتوں اور بعض متشدد گروہوں وغیرہ کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ یہ دکھایا گیا ہے کہ نوآبادیاتی دور کی طرز پر بننے والی ریاست کس طرح روایتی اور غیر روایتی اداروں سے قوت حاصل کرتی ہے۔ خاتمہ کتاب میں لکھتے ہیں:

"... اسلام آباد (حکومت) ایک خاص تعریف والے اسلام کی تنفیذ چاہتی ہے تاکہ دور جدید کے ترقیاتی عمل میں حصہ لے سکے۔ قومی معاملات کو بین الاقوامی بنانے کے سبب جدید اور قدیم دو متصادم گروہوں کے درمیان معاملات میں حدت و شدت آئی ہے۔ اس کی بدولت گروہی اور لسانی اختلافات عروج پر پہنچے ہیں۔ اس کی وجہ اقتصادی و معاشرتی مواقع ہیں۔ روایتی کلچر اور سماجی حالت کے ٹکراؤ نے پاکستان کو اس منزل تک پہنچایا"۔ (ص ۷-۳۰۶)

جناب مصنف کی محنت سے انکار نہیں لیکن یہ نشان دہی ضروری ہے کہ جدید و قدیم کے درمیان جو اختلاف ہے اس کے پس منظر میں صرف اور صرف روایتی تعلیمی ادارے ہی نہیں ہیں بلکہ دیگر امور بھی ہیں، نیز پاکستان کو ایک قومی ریاست سمجھنا اور اس کو کسی مخصوص مذہبی نقطہ نظر کے نفاذ کا علم بردار قرار دینا درست نہیں۔ وطن عزیز میں جو خون خرابہ ہو رہا ہے وہ دین کی وجہ سے نہیں، بلکہ دین سے فرار کے سبب ہے۔ (محمد ایوب منیر)

اقبالیات کے چند خوشے، ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔ ناشر: سیرت اکادمی بلوچستان، ۲/۲۷-اے، او بلاک ۳، سیٹلائیٹ ٹاؤن، کوئٹہ۔ صفحات: ۲۱۰۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔

ڈاکٹر انعام الحق کوثر نامور عالم، ادیب اور نقاد ہیں۔ مطالعہ اقبال سے بھی گہرا شغف رکھتے ہیں۔ تیرہ مضامین پر مشتمل زیر نظر مجموعہ ان کی اقبال شناسی کا عمدہ نمونہ ہے۔ ان مضامین کی حیثیت علمی بھی ہے، فکری بھی اور تعلیمی بھی۔ مختلف عنوانات ("اقبال اور عصبیت"، "اقبال کا نظریہ اجتہاد"، "اقبال اور تیسری دنیا"، "اقبال کا مرد مومن"، "اقبال اور تحریک پاکستان" اور "اقبال اور تعلیم" وغیرہ) کے تحت اقبالیات کے مختلف گوشوں کو عام فہم اور دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ اقبال کے "نور بصیرت سے ہر دھڑکتا ہوا دل روشنی اور حرارت پا سکے"۔ بعض نامور اقبال شناسوں نے کوثر صاحب کے مضامین کو سراہا ہے۔ (ر۔ ن)

اسلامی نظم اور اس کے لوازم، ڈاکٹر سید حسن الدین احمد، ڈاکٹر شجاعت علی برنی، ڈاکٹر طلعت سلطان، ڈاکٹر فرحت علی برنی۔ ناشر: اسلامک پبلی کیشنز لیمٹڈ، ۱۳۔ ای شاہ عالم مارکیٹ، لاہور۔ صفحات: ۱۴۴۔ قیمت: ۴۸ روپے۔

دنیا کی پانچ ارب سے زائد آبادی کا ایک چوتھائی سے زیادہ حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے گویا عیسائیت کے پیروکاروں کے بعد سب سے زیادہ تعداد اسلام کے شیدائیوں کی ہے۔ دنیا کے کم و بیش پچاس ممالک میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے۔ علاوہ ازیں ایشیا، افریقہ، یورپ، امریکہ اور آسٹریلیا میں مسلمان کل آبادی کا ایک اہم عنصر ہیں۔ اس افرادی کثرت اور بے پناہ قدرتی وسائل کے باوجود مسلمان، دنیا میں ایک درماندہ اور پسماندہ قوم ہیں۔ ان کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے اور وہ اپنی حیثیت منوانے سے قاصر ہیں۔ مسلمانوں کی اس مخدوش حالت کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ ان میں نظم و ضبط کا فقدان ہے۔ مسلمانوں کی رہنمائی کرنے والی جماعتوں کی اکثریت تنظیم سے محروم ہے۔ اگر ان کا نظم بہتر ہو جائے تو ان کی سرگرمیاں زیادہ موثر ہو سکتی ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام کیا جائے۔

زیر نظر کتاب کے مولفین ملت اسلامیہ کی اس اجتماعی ضرورت کے احساس سے سرشار ہیں اور اس امر کے قائل ہیں کہ تربیت محض جلسے جلوسوں سے نہیں ہوتی، اس کے لیے جدید اور موثر ذرائع کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ اس کا ایک ذریعہ "ورکشاپ" ہے۔ ورکشاپ سے مراد ایسا اجتماع ہے جس میں ماہرین کسی موضوع پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں اور حاضرین بھی اس میں شرکت کرتے ہیں۔ شرکا، مجہول سامعین نہیں ہوتے، وہ اپنے اندر موضوع کے علمی و عملی پہلوؤں کا جائزہ لینے کی صلاحیت پیدا کرتے ہیں اور اس طرح اپنی موثر شمولیت کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔ اس کتاب کے چاروں مولفین ایک عرصے سے دعوت و تبلیغ سے وابستہ ہیں اور دینی تربیت کی غرض سے ورکشاپوں کے انعقاد کا بہت تجربہ رکھتے ہیں اور ان کی نظر خاصی گہری اور وسیع ہے۔ اس کتاب سے دینی حلقے اور جماعتیں بھرپور فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ کتاب کی امتیازی خصوصیت اس کی جامعیت اور ہمہ گیریت ہے۔ موضوع سے متعلق تقریباً ہر نکتہ، اختصار مگر صریح انداز سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اصطلاحات کی توضیحی فہرست کتاب کی افادیت کو اور بڑھا دیتی ہے۔ البتہ ایک بات کی کمی محسوس ہوتی ہے اور وہ یہ کہ ایک ایسے جائزہ فارم کی تیاری کو نظرانداز کر دیا گیا ہے جس سے ورکشاپ کی افادیت اور قدر و معیار یا کمی کوتاہی کا اندازہ ممکن ہو۔ یہ فارم عموماً ورکشاپ کے آغاز میں شرکا میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور آخر میں ان سے واپس لے لیا جاتا ہے۔ اس میں شرکا، ورکشاپ کے مقاصد کی تکمیل اور

انتظامات وغیرہ کے حوالے سے اپنے تبصرے، آرا اور تاثرات رقم کرتے ہیں۔ اس سے منتظمین کو اپنی کارکردگی کے محاسن و معائب کا پتا چلتا ہے اور آیندہ ورکشاپ کے معیار کو بہتر بنانے کے سلسلے میں ضروری رہنمائی ملتی ہے۔ مجموعی طور پر کتاب بہت مفید ہے اور تبلیغ و اشاعت دین سے وابستہ افراد کے لیے موزوں لائحہ عمل تیار کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ (ڈاکٹر رحیم بخش شاہین)

کتب موصولہ

☆ **اصلاح تعلیم**، مقصود احمد۔ ناشر: تعمیر ملت فاؤنڈیشن، معرفت شفا انٹرنیشنل ہسپتال، ایچ، ایٹ /۴، اسلام آباد۔ صفحات: ۳۰۔ قیمت: ۱۵ روپے۔ [نظام تعلیم میں اصلاح کے مختلف طریقے، تدریسی، نصابی، امتحانی، علمی، ہم اصلاقی، مالی--- آپ "کوئی ایک یا ایک سے زائد کام شروع کیجیے--- رہنمائی کیجیے"۔]

☆ **بساط ذکر و فکر**، اسلامی ادب، مدیر: یعقوب سروش۔ پتہ شریف کاٹج آرمور، ضلع نظام آباد (اے پی) بھارت۔ صفحات: ۵۲۔ قیمت: ۱۵ روپے۔ [اسلامی ادب کا ترجمان، مقالے، غزلیں، افسانے، نظمیں، آسانی ادب وغیرہ۔ بامقصد نگارشات کا اختصار، اہم خوبی ہے۔]

☆ **درس قرآن**، مرتبہ: محمد عمر خاں۔ ناشر: تحریک جنت پاکستان، قصر عبداللہ، ۸۳۸/۱۰۵ کہکشاں سٹریٹ نمبر ۵، نیو گل گشت کالونی، ملتان۔ صفحات: ۱۶ یا ۲۴۔ قیمت: ۴ روپے فی کتابچہ۔ [مختلف موضوعات پر درس قرآن کے سلسلے وار مفید کتابچے۔ "ان افراد کے لیے، جو درس قرآن کی تیاری کی خواہش رکھتے ہوں"۔ انفرادی مطالعے کے لیے نفع بخش۔]

☆ **کلیات طب کے مصادر و مراجع**، محمد رضی الاسلام ندوی۔ ملنے کا پتہ اعجاز پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۶۰ کوچہ جیلان، دریا گنج، نئی دہلی ۲۔ بھارت۔ صفحات: ۲۰۰۔ قیمت: ۸۰ روپے۔ [اس تحقیقی مقالے پر مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ نے، مصنف کو ماہر طب (M.D.) کی سند عطا کی۔ یونانی طب کے اہم مضمون کلیات پر حکمائے قدیم کی چالیس معروف کتابوں کا تعارف۔ ماہرین علم طب نے اس کاوش کو سراہا ہے۔]

☆ **عبداللہ بن ابی سلول**، مبین عبدالشکور۔ ناشر: کوثر پبلی کیشنز، بنگلور، بھارت۔ صفحات: ۱۵۵۔ قیمت: ۵۰ روپے۔ [مصنف کی بعض کتابوں پر تبصرہ آچکا ہے۔ مئی، جون ۱۹۹۶--- یہ ان کی نئی کاوش ہے۔ رئیس منافقین پر بہت سا لوازمہ یک جا کیا گیا ہے۔]

مدیر کے نام

خلیل الرحمٰن ' لالہ موسیٰ

"حکومت عدلیہ کشمکش" (دسمبر ۹۷ء) میں پروفیسر خورشید احمد نے موجودہ سیاسی بحران کا نہایت شاندار محاکمہ کیا ہے۔ ہمارے مسائل کی اصل وجہ ہمارے حکمرانوں کی آمرانہ ذہنیت ہے' نام کے جمہوری ہیں۔ جماعتی انتخابات سے فرار' نظریات کے بجائے شخصیات پر انحصار' قومی مفادات کے بجائے ذاتی مفادات کی ترجیح' پھر کہاں کی جمہوریت! ہمارے حکمران یورپ اور امریکہ سے جمہوری اقدار ہی سیکھ لیتے تو ہمارے ملک میں اسلام کا مسئلہ کچھ حل ہو جاتا۔۔۔ ترجمان حسب معمول خوبیوں سے مزین تھا۔ نظریں محترم خرم مرادؒ کے "میں ایک درخت ہوں" جیسے مضامین تلاش کرتی ہیں۔

راشد عباس انصاری ' کراچی

قاضی حسین احمد صاحب نے "اقبال کا پیغام' امت مسلمہ کے نام" (نومبر ۹۷ء) میں "اسرار و رموز" کا حوالہ دیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے "اسرار خودی" اور "رموز بے خودی" دو الگ مثنویاں تخلیق کی تھیں اور اپنی نگرانی میں یکجا مذکورہ نام سے شائع کیں۔ "عرض حال" "رموز بے خودی" کا حصہ ہے۔ "اسرار خودی" کے تو کئی ترجمے شائع ہوئے ہیں لیکن "رموز بے خودی" کا کوئی منظوم ترجمہ نہیں۔ سمندر خاں نے پشتو میں اور ڈاکٹر محمد عثمان نے اردو میں نثر میں ترجمہ کیا ہے لیکن منظوم نہ ہونے کی وجہ سے چاشنی سے محروم ہے۔ "انجمن ترقی اردو" کراچی کے کتب خانہ خاص میں سید خورشید علی مہر تقویٰ کا منظوم ترجمہ محفوظ ہے۔ یہ فنی اعتبار سے اسرار کے ترجموں سے بہتر ہے' ترجمے کی روانی اور اسلوب بیان معیاری ہیں۔ اس لحاظ سے بھی منفرد ہے کہ اسی بحر اور اسی وزن میں ہے جس میں اقبالؒ نے فارسی میں شعر کہے ہیں۔ کوئی صاحب دل اشاعت کا بیڑا اٹھائے تو بڑی خدمت ہوگی۔

نذیر عالم ' سراجیوو' بوسنیا

۹ اکتوبر ۹۷ء سے یہاں ہوں۔ "اقبال کا پیغام' امت مسلمہ کے نام" (نومبر ۹۷ء) بہت پسند آیا۔ زار کے خلاف مزاحمت پر موشے گیمر کی کتاب دلچسپ محسوس ہوئی۔ مجھے امام شاملؒ پر اردو میں کوئی کتاب ارسال کریں۔ افریقہ میں این جی اوز کی داستان دل ہلا دینے والی ہے۔ افغانستان' بوسنیا' سب جگہ ایک ہی کہانی ہے۔ بوسنیا پر میں ایک

رپورٹ جلد ہی بھیج دوں گا۔ "اخبار امت" کے ساتھ اگر "اخبار وطن" بھی شروع ہو جائے تو مفید ہو گا۔

عبدالجبار خالد ' ہارون آباد

"اقبالؒ کا پیغام" (نومبر ۹۷ء) پڑھ کر دل جذبات سے متلاطم ہو گیا۔ صاحب مضمون نے اقبالؒ کی عظمت کو اس حوالے سے خوب اجاگر کیا کہ اس نے مایوسی کے اندھیروں میں امت مسلمہ میں زندہ رہنے کی آرزو پیدا کر دی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو کام اقبالؒ نے نظم میں کیا' سید مودودیؒ نے نثر میں کیا۔

لیفٹیننٹ جنرل (ر) ڈاکٹر صفدر بٹ ' لاہور

پروفیسر خورشید احمد کے اشارات اور حکمت مودودیؒ (دسمبر ۹۷ء) اعلیٰ درجے کی فکر انگیز تحریریں ہیں۔ میں نے یہ شمارہ تین افراد کو پڑھنے کے لیے دیا۔ مجھے حالات سے آگاہ رکھنے کی ذمہ داری ادا کرنے کا بہت شکریہ۔ میں ممنون ہوں۔

ڈاکٹر حفیظ انور ' نیو ملتان

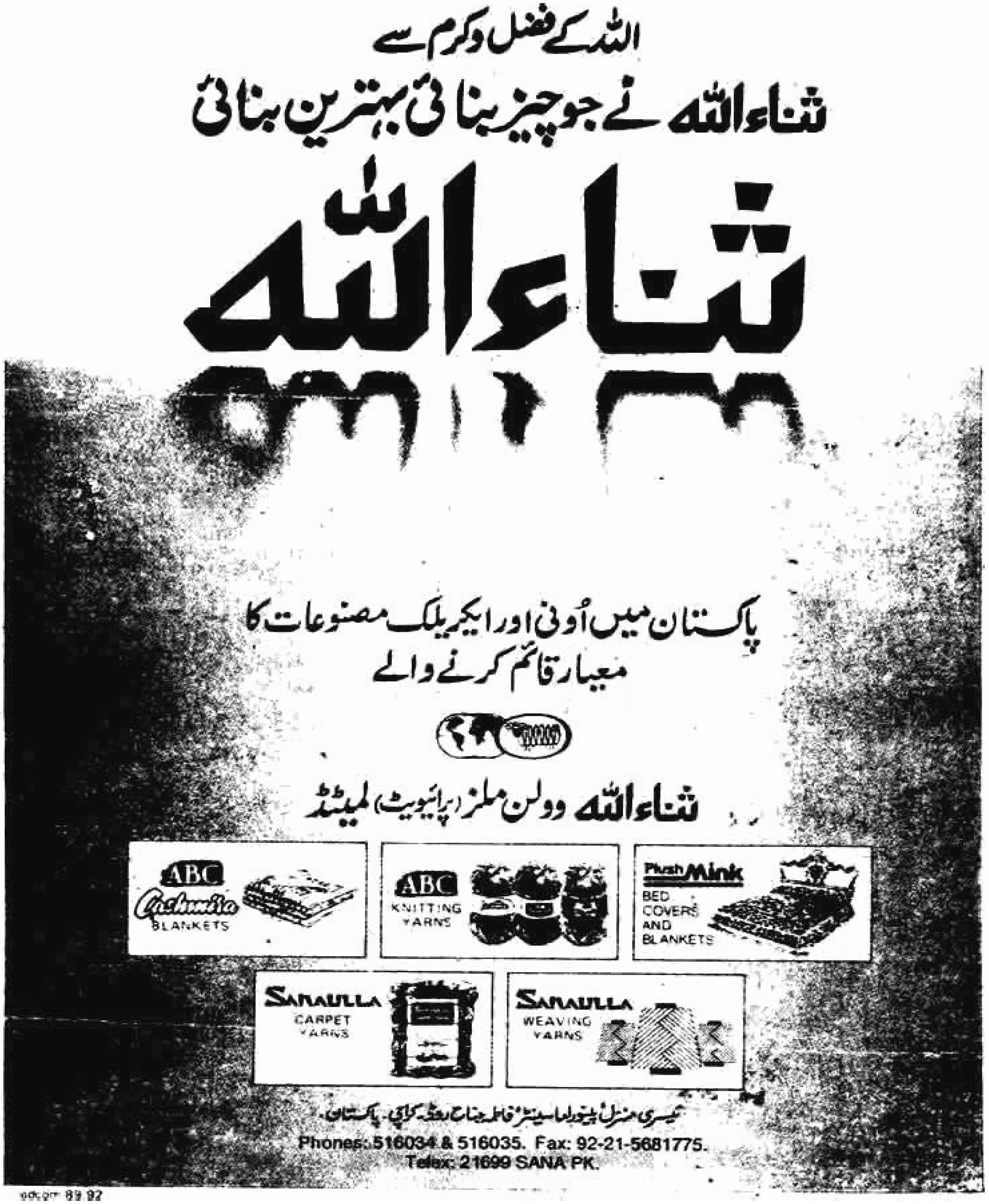
نوعمری سے آپ کے رسالے کا قاری ہوں۔ اس کے مختلف ادوار کا شاہد ہوں۔ ترجمان القرآن اب پھر رہنمائی کے مقام پر فائز ہے۔ امید ہے کہ درجہ کمال کے حصول کی جدوجہد جاری رہے گی۔ ترجمان کے ذریعے اختلاف رائے کو برداشت کرنے کی تربیت دینے کی کوشش نہایت پسندیدہ ہے۔ "فہم قرآن" کے سلسلے میں جدید انکشافات کی روشنی میں تحریریں مسلسل آنا چاہییں۔

راجہ مبشر اکرم ' قرطبہ' اسپین

ترجمان القرآن فروری ۹۶ سے ہر ماہ کے شروع میں باقاعدہ اپنے وقت پر پہنچ رہا ہے۔ وقت کی پابندی تو لگتا ہے کہ ترجمان کی سب سے اہم خصوصیت ہے۔ ترجمان میں شامل سب تحریریں بہت ہی اچھی ہوتی ہیں بالخصوص "اشارات"' "فہم حدیث" اور "رسائل و مسائل"۔

یعقوب سروش ' نظام آباد' آندھرا پردیش

ترجمان القرآن علم و ادب کا کوہ نور ہے' دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں۔ اردو ڈائجسٹ دو سال قبل تک آتا تھا' اس میں ترجمان کا اشتہار دیکھ کر دل تڑپ جاتا تھا کہ کاش یہ مجھے ملا کرتا۔ اپنا رسالہ "بساط ذکر و فکر" ارسال ہے' ترجمان القرآن کا انتظار ہے۔



اللہ کے فضل و کرم سے
ثناءاللہ نے جو چیز بنائی بہترین بنائی
ثناءاللہ
پاکستان میں اُونی اور ایکریلک مصنوعات کا
معیار قائم کرنے والے
ثناءاللہ وولن ملز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
ABC Cashmilla BLANKETS
ABC KNITTING YARNS
Plush Mink BED COVERS AND BLANKETS
SANAULLA CARPET YARNS
SANAULLA WEAVING YARNS
تیسری منزل، پیولما سینٹر، فاطمہ جناح روڈ، کراچی۔ پاکستان۔
Phones: 516034 & 516035. Fax: 92-21-5681775.
Telex: 21699 SANA PK.



دانتوں کی صفائی اور مسوڑھوں کی صحت کے لیے انتہائی موثّر نباتاتی

مسواک ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ

اچھی صحت کا دار و مدار صحت مند دانتوں پر ہے۔ اگر دانت خراب ہوں یا عدم توجہی کے باعث گر جائیں تو انسان دُنیا کی بہت سی نعمتوں اور لذتوں سے لُطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ زمانۂ قدیم سے صحتِ دندان کے لیے انسان درختوں کی شاخیں بطور مسواک استعمال کرتا آیا ہے۔ ہمدرد نے تحقیق و تجربات کے بعد دار چینی، لونگ، الائچی اور صحتِ دہن کے لیے دیگر مفید نباتات کے اضافے کے ساتھ "مسواک ٹوتھ پیسٹ" تیار کیا ہے جو دانتوں کو صاف اور سفید رکھنے کے ساتھ مسوڑھوں کو بھی مضبوط، صحت مند اور محفوظ رکھتا ہے۔

سارے گھر کا ٹوتھ پیسٹ

مسواک ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ

مسواک کے قدرتی خواص صحتِ دنداں کی مضبوط اساس

ہمدرد

مدینۃ الحکمۃ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔

Adarts-HMPT-22/95

اشاریہ: ''ترجمان القرآن'' ۱۹۹۷ء

مرتبہ: شائستہ ہاشمی

مصنف/ مبصر/ مرتب	مضمون/ تبصرہ/ تحریر	شمارہ	صفحات
اشارات:			
خرم مراد	کل کا روشن مستقبل اور آج کے سلگتے مسائل	جنوری	۳-۱۶
خورشید احمد، پروفیسر	احتساب اور صحیح قومی ترجیحات کا چیلنج	مارچ	۳-۱۶
"	پاک بھارت تعلقات اور مسئلہ کشمیر	اپریل	۳-۱۶
"	پاکستان کا سیاسی بحران اور حل کی راہ	فروری	۳-۱۶
"	حکومت عدلیہ کشمکش اور جمہوریت کا مستقبل	دسمبر	۳-۲۴
"	سنت کا تاریخی کردار، بہ مصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست	جولائی	۳-۱۶
"	سود کی لعنت سے نجات: اصل رکاوٹ	مئی	۳-۱۶
"	قومی دفاعی پالیسی: اصول اور اہداف	اکتوبر	۳-۱۱
"	قومی سلامتی اور دفاع	ستمبر	۳-۱۵
"	مسلم معاشرے کا انتشار: منزل کہاں ہے تیری؟	جون	۳-۱۳
قاضی حسین احمد	اقبال کا پیغام، امت مسلمہ کے نام	نومبر	۳-۱۷
"	پاکستان کی دہلیز پر انقلاب کی دستک	اگست	۳-۱۲
۶۰ سال پہلے:			
ابن القیم، افادات	سد باب اصول تشریع میں سے ایک اصل عظیم	جنوری	۳۰
ادارہ	اطلاع [ترجمان القرآن کے بارے میں]	نومبر	۲
صدر الدین اصلاحی	مسلمان اور امامت کبریٰ	اکتوبر	۲
"	[''نکاح کتابیہ'' سے اقتباس]	مارچ	۲
مودودی، سید ابوالاعلیٰ	[ابوالحسن علی ندوی کی تالیفات: ۱- تفسیر آیہ الیوم اکملت لکم دینکم، ۲- وصیت رسولؐ، ۳- مسلمانوں پر ایک نظر، ۴- دعائیں پر تبصرہ]	اپریل	۲

مودودی، سید ابوالاعلیٰ	اشارات: خلیل انوری کا رسالہ Genuine Islam	فروری	۲
〃	ایک شافعی مسلمان کی شکایت	جون	۲
〃	[ترجمان کی مالی حالت]	اگست	۲
〃	[دارالاسلام پٹھان کوٹ کا مختصر تعارف]	دسمبر	۲
〃	"رسول مقبول" از مولانا عتیق احمد صدیقی" پر تبصرہ	جولائی	۲
〃	[شمارے سے متعلق شکایات کا جواب، اسباب]	مئی	۲
〃	[ہجرت کا مفہوم اور مقصد]	ستمبر	۲

حکمت مودودیؒ:

مودودی، سید ابوالاعلیٰ	اسلام کے اصول شوریٰ	مئی	۱۷-۱۹
〃	امید کی شعاعیں [تحریک اسلامی: کامیابی کی شرائط سے ماخوذ]	اکتوبر	۱۳-۱۴
〃	جمہوریت اور ملوکیت	اپریل	۱۷-۱۹
〃	حکمت عملی کے تقاضے	مارچ	۱۷-۱۹
〃	خادم انسانیت	ستمبر	۱۷-۱۹
〃	رحمت کا استحقاق [قوموں کے اعمال کے نتائج]	اگست	۱۳-۱۵
〃	عید مبارک	فروری	۲۵-۲۷
〃	گمراہی کا ایک اہم سبب	دسمبر	۲۵-۲۶
〃	مذہب اور تہذیب و تمدن	جولائی	۱۷-۱۹

فہم قرآن:

توقیر عالم فلاحی، ڈاکٹر	قرآن میں ابتلاو آزمائش کا فلسفہ	اپریل	۲۱-۳۰
〃	قرآن میں دعوت و تبلیغ: تقاضے اور طریقہ کار (قسط ۱)	اکتوبر	۱۵-۲۴
〃	〃 〃 〃 (قسط ۲)	نومبر	۲۷-۳۷
سید قطب شہید	تصاویر قرآنی، دعوت دین کی تصویریں	فروری	۲۹-۳۳
مسعود مفتی	قرآن روشنی ہے	دسمبر	۲۷-۳۸
مودودی، سید ابوالاعلیٰ	پھر کیوں تم شکر گزار نہیں ہوتے؟	جون	۱۵-۲۱

فہم حدیث / سیرت النبیؐ:

اعجاز فاروق اکرم، ڈاکٹر	لمحہ فیصل، مسجد قبا میں پہلا خطبہ	نومبر	۴۳-۴۷
خرم مراد	ایک تاریخ ساز دن [یوم بدر]	جولائی	۲۵-۲۹

دعوت و تحریک:

اخبار امت:

اسلام اور مغرب:

مسلم سجاد	فرانس کے مسلمان	جنوری	۵۹-۶۱
ممتاز احمد، پروفیسر (ترجمہ: ابو عادل)			
	اسلامی تحریکیں اور حزب اختلاف کا کردار	جون	۴۵-۵۸
یادرفتگاں:			
ادارہ	خرم بھائی اپنے رب سے جاملے	جنوری	۲
خورشید احمد، پروفیسر	مولانا خان محمد ربانی	اکتوبر	۶۳-۶۶
	خرم بھائی-رفتید و لے نہ از دل ما	فروری	۱۷-۲۴
علی گیلانی، سید	مکتوب گیلانی [خرم مراد کے بارے میں]	مارچ	۶۹-۷۰
عنایت اللہ فیضی	مولانا عبدالرحیم چترالی (مرحوم)	جنوری	۶۳-۶۷
محمد ادریس، حافظ	شیخ عبدالفتاح ابوغدہ	مئی	۵۹-۶۳
منور حسن، سید	ایک چراغ اور بجھا [محمود اعظم فاروقی]	دسمبر	۶۷-۷۰
عالم نسواں:			
خولہ لکاتا (ترجمہ: عبدالجلیل)			
	حجاب کے اندر	مارچ	۴۱-۵۸
گوہر رحمٰن، مولانا-انیس احمد، ڈاکٹر			
	حجاب اور اجتماعی سرگرمیاں	اکتوبر	۳۳-۴۲
نظام حیات:			
الطاف احمد، مالانی عمری	خاندان کی سربراہی کا مسئلہ اور اسلام	فروری	۵۱-۵۶
خورشید احمد، پروفیسر (ترجمہ: میاں محمد اکرم)			
	اسلامی بنک کاری: اکیسویں صدی کا چیلنج	جولائی	۴۵-۵۸
اسلامی تحریکیں:			
حسن ترابی، ڈاکٹر (ترجمہ: محمد ظہیرالدین بھٹی)			
	تحریک اسلامی: چند اہم مسائل	اگست	۳۳-۳۶
محمد ظہیرالدین بھٹی	اسلامی تحریکیں: شرکت اقتدار کا تجربہ	ستمبر	۳۹-۴۲
مطالعہ کتاب:			
رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر	لوح ایام: انقلاب ایران کا پس منظر و پیش منظر	اپریل	۵۳-۵۸

رسائل و مسائل:

اشرف علی تھانوی، مولانا	خواب کی حقیقت	فروری	۶۹-۷۱
انیس احمد، ڈاکٹر	اختلافی مسائل پر صحیح رویہ	دسمبر	۷۳-۷۶
"	الکوحل کا بطور پرفیوم استعمال	مئی	۶۹-۷۰
"	امت کی بے حسی	نومبر	۷۱-۷۴
"	مذہبی جماعتوں کی ناکامی	جولائی	۶۸-۷۱
"	وقت کی جواب دہی اور احساس ذمہ داری	مئی	۶۵-۶۷
"	ولدیت کے خانے میں غیر والد کا نام	مئی	۶۷-۶۹
خرم مراد	اقدار اور ازدواجی زندگی	جنوری	۶۹-۷۳
"	راہ ہدایت پر	جولائی	۶۵-۶۸
"	وسوسوں کی حقیقت اور علاج	ستمبر	۷۱-۷۲
سیف اللہ رحمانی، مولانا	عذر کی بنا پر جمع بین الصلوتین	فروری	۷۲-۷۴
عبدالحق ہاشمی۔ (توثیق: عبدالحق بلوچ)			
	زرعی اراضی کی تحدید ملکیت	مئی	۷۰-۷۳
عبدالمالک، مولانا	جہاد یا فساد؟	اپریل	۷۱-۷۷
"	خواتین اور جینز کا استعمال	نومبر	۶۹-۷۱
"	دارالکفر میں حدود پر عمل کا مسئلہ	اگست	۷۳-۷۵
"	سود اور مجبوری کی حالت	ستمبر	۶۹-۷۱
"	خواتین کا سفر	دسمبر	۷۱-۷۲
عروج احمد قادری، سید	بلا متن ترجمہ قرآن کی اشاعت	جون	۶۷-۷۱
"	رسول اللہ نے سفر میں سنتیں بھی پڑھی ہیں	جون	۷۱-۷۳
"	مقام تنعیم سے عمرہ کا حکم	مارچ	۷۱-۷۴

کتاب نما:

ادارہ	ہمدرد صحت اور نونہال خصوصی نمبر (مدیر اعلیٰ: حکیم محمد سعید)	نومبر	۸۲
امجد عباسی	نماز کی عربی سیکھیے (زید طفیل شیخ)	جون	۸۰-۸۱
بلال مسعود، ڈاکٹر	روح انقلاب (صاحبزادہ خورشید گیلانی)	مارچ	۷۹-۸۰
"	ذوق جہاد: لوازمات و برکات (سید واجد رضوی)	جولائی	۷۶-۷۸
"	عالم اسلام کی اخلاقی صورت حال (اسرار عالم)	جنوری	۷۵-۷۷

حسین احمد پراچا، ڈاکٹر	تالیف (ڈاکٹر خورشید رضوی)	مئی	۸۰–۸۱
خرم مراد (ترجمہ: امجد عباسی)			
	Middle East Terrorism: (Yonah Alexander)		
	Terrorism and the Media: (Brigitte L. Nacos)	دسمبر	۸۱–۸۳
زبیدہ جبین	آسمان علم کے درخشندہ ستارے (نظر زیدی)	اگست	۸۱–۸۲
"	لہو کے چراغ (ظہور الدین بٹ)	جون	۷۹–۸۰
"	ہالہ جبریل سے باہر (اعجاز احمد فاروقی)	فروری	۷۹–۸۰
رفیع الدین ہاشمی	اردو سرکاری زبان (چودھری احمد خان علیگ)	جنوری	۷۷–۷۹
"	اقبال ایک مسلم سیاسی مفکر (ڈاکٹر مشیر الحق)	مئی	۷۵–۷۷
"	اقبالیات نذیر نیازی (عبداللہ شاہ ہاشمی)	جنوری	۷۹–۸۰
"	پل صراط (اللہ بخش کلیار)	جون	۷۷–۷۹
"	تحدیث نعمت (مولانا محمد منظور نعمانی)	اگست	۸۰–۸۱
"	تفہیم القرآن، فارسی (سید ابوالاعلیٰ مودودی)	جولائی	۸۰–۸۱
"	جدید فقہی مسائل (خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا)	اپریل	۸۰–۸۱
"	جیلانی بی اے کی کہانی (ڈاکٹر تصدق حسین راجا)	مارچ	۷۷–۷۹
"	خفتگان خاک گجرات (ڈاکٹر منیر احمد سلیچ)	فروری	۷۶–۷۸
"	راہ نورد شوق (علامہ عنایت اللہ)	فروری	۷۵–۷۶
"	رحمٰن کے سائے میں (حافظ محمد ادریس)	فروری	۷۵
"	رفیق منزل، (ماہنامہ) مسلم تعلیمی تحریکات و شخصیات نمبر (مدیر: ایاز احمد اصلاحی)	ستمبر	۸۰
"	روشنی کے مینار (حافظ محمد ادریس)	جولائی	۷۶
"	سخن دل نواز (مولانا امیر الدین مہر)	ستمبر	۷۵
"	سفرنامہ ہند (پروفیسر محمد اسلم)	مارچ	۷۵–۷۷
"	سیارہ، ماہنامہ (مدیر: نعیم صدیقی)	جنوری	۸۰–۸۱
"	سید مودودی: پرعزم زندگی، گمنام گوشے (محمد حسین شمیم)	ستمبر	۷۳
"	فی ظلال القرآن، ترجمہ: سید معروف شاہ شیرازی (جلد چہارم)	جنوری	۸۱
"	" " " (جلد پنجم)	جون	۸۰
"	" " " (جلد ششم)	ستمبر	۸۰
"	مغربی افریقہ کی تحریک جہاد (ڈاکٹر احمد محمد کانی)	اکتوبر	۷۹–۸۰

*	نور علی نور (سید نظر زیدی)	مارچ	۸۲
*	وہ بھی کیا دن تھے" (حکیم محمد سعید)	جولائی	۷۹
*	The Quranic Treasures (خرم مراد)	مئی	۷۷-۷۸
*	Gifts from Muhammad (خرم مراد)	مئی	۷۷-۷۸
سلیم منصور خالد	اشاریہ افکار مودودی (انور عباسی)	ستمبر	۷۴
*	پاکستان مسلم لیگ کا دور حکومت (ڈاکٹر صفدر محمود)	اگست	۷۷-۷۹
*	سلمیٰ کا مقدمہ ڈھاکہ سے کراچی تک (نسرین پرویز)	دسمبر	۸۰-۸۱
*	سہ رنگا نظام تعلیم (رضوانہ سید علی)	جولائی	۷۵-۷۶
*	مسئلہ کشمیر کے امکانی حل (ارشاد محمود)	مئی	۷۸-۸۰
*	مغرب اور اسلام سہ ماہی (مدیر: ڈاکٹر انیس احمد)	جون	۸۱-۸۲
*	نقطہ نظر ششماہی (مدیر: سفیر اختر)	فروری	۸۰-۸۱
*	نیاز فتح پوری: شخصیت اور فن (ڈاکٹر عقیلہ شاہین)	اکتوبر	۷۷-۷۹
*	The Newsletter (سیف اللہ خالد)	اگست	۸۳
*	The Crisis of the Politi-al System in Pakistan and the Jamaat -i- Islami (خورشید احمد)	اپریل	۸۱-۸۲
شاہین، ڈاکٹر رحیم بخش	ابلیسی مغالطے، فریب ابلیس (محمد شریف قاضی)	مارچ	۸۱-۸۲
*	تجلیات سیرت (حافظ محمد ثانی)	نومبر	۷۹-۸۰
*	تحریک پاکستان اور صحافت (پروفیسر انعام الحق کوثر)	اگست	۷۹-۸۰
*	عالم عرب پر مشنری یلغار (ڈاکٹر مصطفیٰ خالدی، ڈاکٹر عمر فروخ)	نومبر	۸۱-۸۲
طارق جان	Muslim Resistance to the Tsar: Shamil and the Conquest of Chechnia and Daghestan	نومبر	۷۵-۷۸
عاصم نعمانی	تذکرۃ القراء (محمد ایاس الاعظمی)	مئی	۸۱-۸۲
*	تعلیل الصرف (مولانا مفتی فضل الرحمن بلال عثمانی)	مارچ	۸۲
عبداللہ شاہ ہاشمی			
*	افغانستان کی کہانی حقائق کی زبانی (ڈاکٹر مظفر احمد)	دسمبر	۷۹-۸۰
*	خونی لکیر	ستمبر	۷۹
عبدالمالک، مولانا	یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ (حافظ احمد یار)	نومبر	۷۸-۷۹
عبدالمتین منیری	السنن الواردۃ فی الفتن وغوائلها والساعة واشراطها		

	(امام ابو عمرو عثمان بن سعید المقری الدانی)	نومبر	۸۰-۸۱
"	الجامع فی الحدیث (امام حافظ عبداللہ بن وہب بن مسلم القرشی)	ستمبر	۷۸-۷۹
"	فتح الباری شرح صحیح البخاری (حافظ ابن رجب)	اکتوبر	۷۷-۷۸
"	مجلہ التمہید، سہ ماہی	اگست	۸۲-۸۳
مسلم سجاد	آسان دعائیں (شعبہ حج، جماعت اسلامی، کراچی)	اپریل	۸۲
"	افکار ملی ماہنامہ، مسلم معاشرہ نمبر (سید قاسم رسول الیاس)	اگست	۸۳-۸۴
"	بچوں کی لائبریری کیوں اور کیسے؟ (پروفیسر مقصود احمد)	مارچ	۸۱
"	تعلیم میں بیرونی معاونت، حقائق، نتائج، راہ عمل (سلیم منصور خالد)	اپریل	۷۹-۸۰
"	عوام کی عدالت میں (ایس ایم ظفر)	اکتوبر	۷۵-۷۶
"	قرآن سب کے لیے (طارق خان، تلید فلاحی)	ستمبر	۷۷-۷۸
"	مقدمہ تعلیم (حکیم محمد سعید)	اکتوبر	۷۶-۷۷
محمد اکرم میاں	Role of the State in the Economy: An Islamic Perspective (ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی)	فروری	۷۸-۷۹
محمد ایوب منیر	Islam and Western Civilization (اقبال ایس حسین)	جون	۷۵-۷۷
"	Islamic Etiquette : Drop to Dust (محمد حبیب الدین فضلی)	جولائی	۷۸
"	The Islamic Nation (علی نواز)	ستمبر	۷۵-۷۷
"	Islamic Civilization in its real Perspective (صدر الدین اصلاحی، ترجمہ: اسرار احمد خان)	مارچ	۸۰-۸۱
"	Iqbal: from finite to infinite (معین الدین عقیل)	مئی	۸۲
محمد سجاد، حافظ	حضرت انس بن عبدالمالک (ابن عبدالشکور)	جولائی	۷۹-۸۰

متفرق:

پیٹریا کور	(ترجمہ: سجاد احمد ثاقب) افراط آبادی: نعمت یا آفت	مئی	۴۷-۵۰
رئیسہ عزیز	یوم آزادی کی پکار	اگست	۴۷-۵۵
عبدالحق انصاری، ڈاکٹر	کلامی مسائل میں مولانا مودودی کا مسلک	ستمبر	۵-۳۲
عبدالقدیر سلیم	عالمی سرمایہ داری کا مستقبل	اکتوبر	۳۳-۴۲

۶ کتابچے ہدیہ رمضان --- صرف دس روپے میں
(خصوصی لفافے کے ساتھ)

عشرہ اعتکاف اور شب قدر	مولانا اشرف علی تھانوی
روزہ اور قرآن	مولانا مناظر احسن گیلانی
سو روزے	مولانا ابوالحسن علی ندوی
[illegible] پیغام	خرم مراد
[illegible]	خرم مراد
[illegible]	مظفر بیگ

Don't Take Chances

Always rely on

GUARD® PRODUCTS



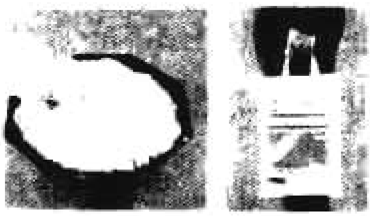
AUTO DIVISION

GUARD FILTERS, OIL, FUEL & AIR

GUARD BRAKE OIL

GUARD LUBE OIL

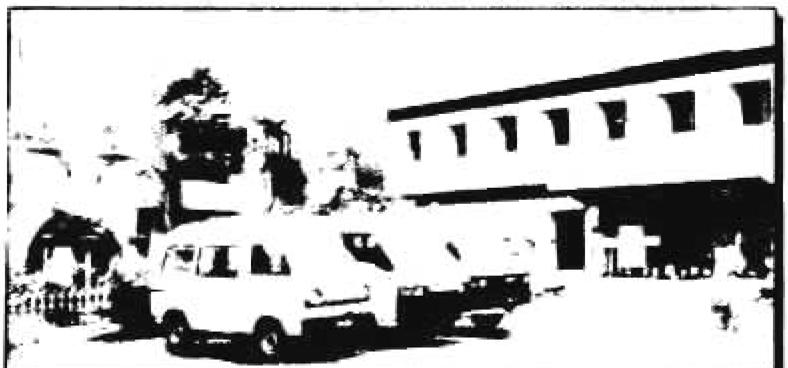
GUARD BRAKE LINING



Supreme Basmati Rice From Pakistan
Obtained through intensive
research and perfect milling

Mumtaz Bakhtawar

MEMORIAL TRUST HOSPITAL



A WELFARE PROJECT OF GUARD GROUP

Serving ailing humanity for the last 25 years

Guard Group

- Malik Auto & Agr. Industries (Pvt) Ltd.
- Guard Agr. Research & Services (Pvt) Ltd.
- Guard Oil (Pvt) Ltd.
- Guard Friction (Pvt) Ltd.
- Diesel Auto Corporation

80-Badami Bagh, Lahore - Pakistan.
Phones: 7725616 - 18
Fax: 0092-042-7722627 - 7723988
Telex: 44428 Guard Pk.

gg
Guard Group

یہ جاننے کے لیے کہ
پچھلے نوّے سال سے زائد عرصے سے رُوح افزا
کروڑوں شائقین کا پسندیدہ مشروب کیوں ہے،
آپ کو کسی تردّد کی ضرورت نہیں :

صرف

رُوح افزا

کا ایک گلاس نوشِ جاں کیجیے۔



ٹھنڈک اور فرحت لیے تازگی بھرا ذائقہ

ہمدرد

مدینۃ الحکمۃ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔

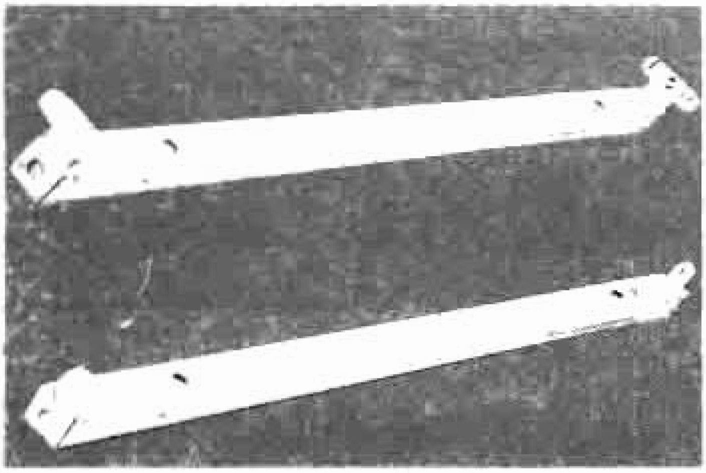
Adarts-HRA-8/97

C.P.L. 236

Phone : 7587916
7585590

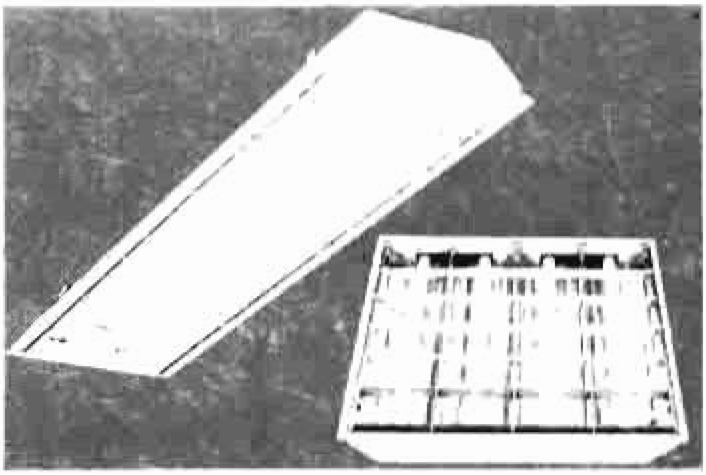
Monthly **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE.

BATTEN LIGHT



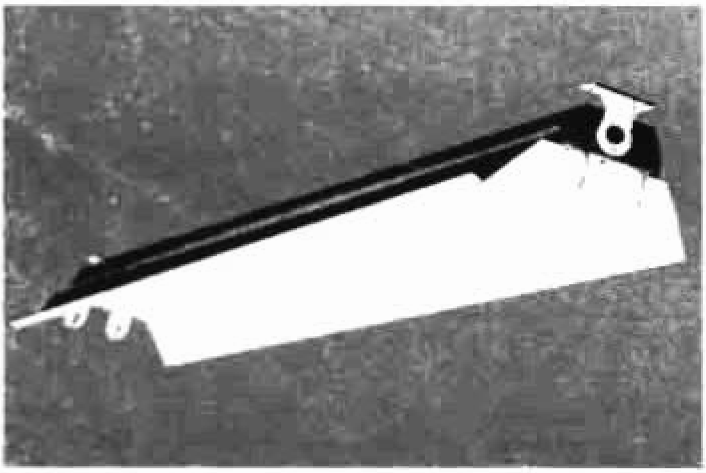
[illegible] ballast tube light fixture for [illegible] lounge & drawing rooms etc.

OFFICE LIGHT



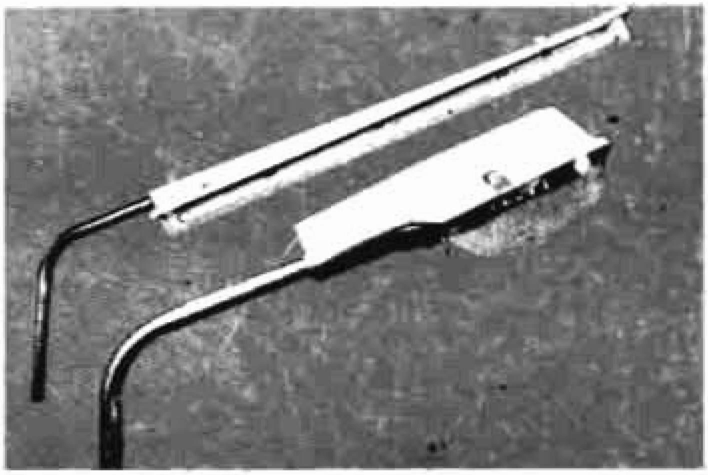
2x2 and 1x4 Recessed and surface fixtures with beautiful aluminium louver for maximum and glare free lighting

INDUSTRIAL LIGHT



[illegible] fixtures with reflector for effective lighting and [illegible]

STREET/ROAD LIGHT



Most widely used for streets and roads lighting. Weather resistant and water proof fixtures

PAKLITE
TUBE LIGHT FITTINGS

PAKLITE ELECTRICAL INDUSTRIES (PVT) LTD.
Sheikhupura Road, Gujranwala, Pakistan. Ph: 0431-272890-93 Fax: 0431-272894